ہفت روزہ

ندائے خلافت

یکم اگست ۱۹۹۴ء

☆ خطباتِ خلافت: کفالتِ عامہ کا فطری نظام

☆ زیڈ اے سلہری --- بنام --- نواز شریف: اک عرضِ تمنا ہے......

☆ پسرِ اقبال اور توہینِ رسالت کی تعزیر

حدیثِ امروز

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب

روزنامہ جنگ لاہور (۲۳ / جولائی) کی رپورٹ کے مطابق جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد صاحب نے پشاور کے چوک یادگار میں ایک عام جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "قوم نواز شریف سے پوچھے کہ ان کی دولت پندرہ کروڑ سے نو سو کروڑ تک کیسے پہنچی۔ نواز شریف صدر سے ایک کروڑ روپے کا حساب مانگ رہے ہیں لیکن پہلے وہ اپنی دولت کا حساب دیں۔ انہوں نے کہا کہ بے نظیر نے لاڑکانہ کی جائیداد سے پیرس اور لندن میں کیسے جاگیریں خریدیں' وہ اس کا حساب دیں"۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ قوم کے یہ سیانے بیانے اور سرد و گرم زمانہ چشیدہ زعماء خود ہی سٹھیا گئے ہیں یا قوم کو بے وقوف بنانا ان کے لئے تفریح طبع کا بہانہ ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ جسے وہ قوم کی زبانی سب سے بڑا لیٹرا کہلوانا چاہتے ہیں' وہی آج اس کا سب سے بڑا ہیرو ہے۔ اسے عوام کی طرف سے وہ پذیرائی مل رہی ہے جو قاضی صاحب کو آج بھی میسر آجائے تو آپے میں نہ رہ سکیں۔ رہیں حکمرانوں کی پیرس اور لندن میں جائیدادیں تو اس میں بھی کون سی ناشدنی بات ہے۔ مسلم ممالک کے ان حکمرانوں نے بھی تو فرنگ کے خرابوں میں محلات بنا رکھے ہیں جن کا نام لینے سے پہلے وضو کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

خیر چھوڑیئے' اپنے پیارے عوام ہی کی بات کرتے ہیں!۔ ان کا تعلق اسی نسل سے تو ہے جس نے بچپن میں سلطانہ ڈاکو اور بہرام ڈاکو کے کارنامے پڑھے اور انہیں اپنے خوابوں میں بسا لیا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے ذہن آج بھی عمرو عیار کی داستانوں کے اسیر ہیں۔ (قطع نظر اس سے کہ خود اس نام کے پردے میں کس کی عیاری و پُرکاری کارفرما ہے!)---- صرف ایک ہی سال پہلے کی بات ہے' قوم کی اسی نفسیاتی کمزوری کی "عوامی قوت" سے آپ نے بھی فائدہ اٹھانے کی بھرپور لیکن بھونڈی کوشش کی تھی جس میں اندازے کی غلطی کے علاوہ کسر ایک آنچ کی بھی رہ گئی اور آپ "ہیرو" سے "زیرو" ہو کر رہ گئے۔ اور رونا تو اس بات کا ہے کہ اب بھی آپ اپنے لائحہ عمل پر نظرثانی پر آمادہ نہیں ہو رہے ہیں۔ آپ نے نو سو کروڑ کی بجائے نو ہزار کروڑ کی بات کی ہوتی تو نواز شریف صاحب کے متوالے عوام کے چہرے خوشی سے اور کھِل جاتے ---- آپ ہیرا پھیری کے اعداد و شمار کو جتنا بڑھائیں گے "ساڑھے شیر" کی شیری میں اضافہ ہو گا۔ اس کی ٹانگ کھینچنا مقصود ہے تو کوئی اور گُر آزمایئے' کوئی نیا نونا نونکا اپنی زنبیل سے نکالئے!۔

اللہ تعالیٰ کو اس قوم کا بھلا منظور ہے تو آپ کو اور ہمیں عقل کے ناخن لینے کی توفیق دے گا جس کے بعد ہم سب کی کوشش یہ ہوگی کہ خیر و شر کی وہی قدریں اللہ کے بندوں کی پہلے اپنے لئے اور پھر دوسروں کے لئے معیار خوب و زشت بن جائیں جو ان کے خالق و مالک نے خود طے کر دی ہیں اور جن کے بارے میں کہیں بھی کسی درجے کا ابہام نہیں پایا جاتا۔ اچھے بُرے کی یہ تمیز کتاب و سنت میں مرقوم ہی نہیں' تاریخ کے اوراق میں محفوظ بھی ہے۔ اسے عام کیجئے اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول بنانے میں اپنی توانائیاں کھپایئے تو کسی پر جھوٹا کیا' سچا الزام لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی۔ روشنی پھیلایئے' تاریکی از خود پسپا ہو جائے گی---- یہ نسخہ بھی آزما کر تو دیکھئے لیکن یہ کام ہے خاصا ہی صبر طلب' یہ وہ تمنا نہیں جس کی سرسوں ہتھیلی پر جمائی جا سکے!۔OO

قیمت ۶ روپے

خلافت کمیٹی ضلع لاہور کی افتتاحی تقریب

—— وقائع نگار خصوصی ——

۲۳/جولائی کی شام لاہور میں تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور ڈویژن کے تحت ضلعی خلافت کمیٹی ضلع لاہور کی افتتاحی تقریب تحریک کے ضلعی دفتر ۴/اے مزنگ روڈ پر منعقد ہوئی جس میں ضلع لاہور کے معاونین تحریک نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ تقریب کے مہمان خصوصی تحریک کے ناظم اعلیٰ میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب تھے جبکہ سیکرٹری تحریک جناب عبدالرزاق صاحب نے صدارت کے فرائض سرانجام دیئے۔

(بائیں سے دائیں) ناظم اعلیٰ جنرل انصاری' سیکرٹری جناب عبدالرزاق اور لاہور ڈویژن کے ناظم مرزا ایوب بیگ نومنتخب عہدیداروں کے عزائم سنتے ہوئے

تقریب سے ضلعی خلافت کمیٹی کے عہدہ داران' جناب محمد اشرف وصی ناظم ضلعی خلافت کمیٹی' جناب محمد مبشر نائب ناظم' جناب محمد نفیس شیخ سیکرٹری' جناب فضل کریم سیکرٹری مالیات' اور جناب نوید احمد خان سیکرٹری نشرواشاعت نے خطاب کرتے ہوئے تحریک کو ضلع کی سطح پر منظم و متعارف کروانے اور اس کے آفاقی پیغام کو ہر ہر فرد تک پہنچانے کے عزم کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے تن من دھن سے محنت کرنے کا پختہ عہد کیا اور تقریب میں شریک معاونین تحریک کو بھی اس ضمن میں بھرپور کردار ادا کرنے کے لئے ترغیب و تشویق دلائی

تحریک خلافت حلقہ لاہور ڈویژن کے ناظم مرزا ایوب بیگ صاحب نے معاونین کو پاکستان کے موجودہ تشویشناک حالات کے حوالے سے توجہ دلائی کہ اگر ہم نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا تو ہم نہ صرف آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ تحریک کے سیکرٹری جناب عبدالرزاق صاحب نے اپنے خطاب میں تحریک کو پورے پاکستان میں ضلعوں اور وارڈز کی سطح پر منظم کرنے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ الحمدللہ تحریک کو ضلعی سطح پر منظم کرنے کا کام اپنے آخری مراحل میں ہے اور وارڈز کی سطح پر بھی خلافت کمیٹیاں بنانے کے کام کا آغاز کر دیا گیا ہے جو ان شاء اللہ ماہ اگست میں مکمل ہو جائے گا۔

تحریک کے ناظم اعلیٰ میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب نے آخر میں خطاب کرتے ہوئے معاونین کو اس اعتبار سے ذاتی محاسبہ کرتے رہنے کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تحریک کو کتنا وقت دے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نظام خلافت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب یا کسی اور فرد کے ذہن کی اختراع نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے پیغمبر اعظم حضرت محمد ﷺ کا عطا کردہ نظام ہے جس کو قائم کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوتاہی کی تو ہم دنیا و آخرت میں خسارے سے دوچار ہوں گے۔

تقریب کے آخر میں ضلع لاہور میں وارڈوں کی سطح پر کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔OO

حاضرین کی ایک جزوی جھلک

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ تقدیریں

اگر ملی نغموں میں چار پانچ زبانوں کے ایک دوسرے میں گم ہوتے بول' لوک دھنوں میں باہم دگر جذب ہوتے رنگ برنگے سر اور علاقائی رقصوں میں جسم کی شاعری کے درجنوں انمل بے جوڑ مصرعوں سے ڈھلی غزلیں ایک نئی قوم کو وجود بخش سکتی ہیں اور اگر کھوکھلے دعووں' کھڑکتے نعروں اور اشتہاری فقرے بازیوں کے ذریعے کوئی قوم دنیا سے اپنی آزادی کا لوہا منوا سکتی ہے تو لاریب' ہم بھی ایک آزاد قوم ہیں لیکن افسوس کہ ان فسوں سازیوں کا زمانہ لد گیا ہے' اب وقت کا قاضی اپنا فیصلہ واقعات و حقائق کی بنیاد پر دیتا ہے اور تقریباً نصف صدی کی اپنی کارگزاری سے ہم نے عملاً یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو ہم پر آزادی کا سورج طلوع ہوا تو تھا لیکن بس ایک جھلک دکھلا کے نہ جانے کب غروب بھی ہو گیا۔ ہم غلام تھے جن کا کوئی قومی تشخص ہو تا ہی نہیں اور بدستور غلامی میں جکڑے چلے بھی آتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں آزادی کی نیلم پری کے شربت دیدار سے شاد کام ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں۔ ہم تو جنم جنم کے پیاسے ہیں۔

ہمارے دانشور' صحافی اور اہل قلم سچ لکھتے ہوئے اور سیاستدان سچ بولتے ڈرتے ہیں۔ خوب جانتے ہیں کہ جس قوم کو ہم آزادی کا درس دے رہے ہیں' وہ ہڑبونگ مچاتے غلاموں کا ایک ریوڑ ہے۔ انہوں نے اسی غلام قوم کے خون پسینے سے نچوڑی جانے والی دولت سے دنیا بھر کے درجنوں سفر کئے ہیں جہاں انہوں نے آزاد فضا میں سانس لینے کا تجربہ حاصل کیا اور آزاد قوموں کی چال ڈھال اور ان کا سراپا بھی نظروں سے گزرا ہے۔ انہوں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ۔

عالم آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ
ہے زمین اس کی الگ اور آسماں سب سے الگ

پھر بھی وہ دھوکہ دینے اور دھوکہ کھانے پر مجبور ہیں کہ اب یہی روزگار ہے ان کا۔ وہ قوم کو یہ بتانے کی جراءت لائیں تو کہاں سے کہ لوگو! آزادی کے جوہر دکھانے کی آرزو دلوں میں پالنے سے پہلے اس خوئے غلامی سے تو جان چھڑاؤ جو تمہاری ہڈیوں کے گودے میں اتر چکی ہے۔ تم میں سے جو اس دھرتی کے بیٹے ہیں وہ صدیوں بادشاہوں اور عالم پناہوں کے غلام رہے' پھر اکثر نے سکھا شاہی کی ذلت دیکھی اور بچے کھچے نوابوں' منصب داروں تالپروں اور میروں کی چلمیں بھرتے رہے اور آخر کار سات سمندر پار سے آنے والے فرنگی آقاؤں کی گرفت میں آکر اس قفس کے اسیر ہو گئے "گوشے میں جس کے سب کو ہی آرام بہت تھا۔ رہے وہ آزاد منش لوگ' وہ بندگان صحرائی' وہ مردان کہستانی جو عالم آزادگاں سے آئے تھے اور جنہیں یہاں کی سرسبزی خوش آئی' غلامی کے اس بندی خانے کے طلسم نے ان کا دھڑ بھی پتھر کا کر دیا۔ ان کے دل و دماغ بھی اب اسی عیش کے عادی ہو گئے ہیں جس کے مزے ہم ابنائے زمیں لوٹتے رہے۔ یہ اجنبی آقا جاتے ہوئے تمہاری قسمت اپنے پروردہ کارندوں کے ہاتھ میں دے گئے جن کی غلامی بجالاتے ہوئے تم ان کے حق میں گلے پھاڑ کے زندہ باد کے نعرے بھی لگاتے ہو۔ تمہیں تو شاید اس بات کا احساس بھی نہیں کہ حال ہی میں تمہارے ساتھ نئی واردات یہ ہوئی ہے کہ تم پر مسلط اقتدار کی تکون کے زاویے بدل گئے ہیں لیکن فکر کی بہرحال کوئی بات نہیں' مثلیث کی نحوست سے تم اب بھی آزاد نہیں ہوئے۔

ہم سے اپنے بھی نالاں ہیں اور بیگانے بھی ناخوش کہ نالے کو رسا نہیں باندھتے' غوغائے سگاں قرار دیتے ہیں' اب اپنی قوم کی طرف سے اس اقبالی بیان پر ہمیں سنگسار کرنا چاہو تو حاضر ہیں۔ اے ابنائے قوم سن رکھو! تم غلام ابن غلام ابن غلام ہو اور غلامی تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔ آزادی کے طور طریقے سیکھنا چاہتے ہو تو پہلا سبق یہ ازبر کر لو کہ وقت تمہارے ہاتھ سے نکل چکا ہے یعنی یہی کہ رفت گیا اور بود تھا۔ آزادی کے آداب پر عمل کے لئے قرنوں کی مشق درکار ہے اور تمہیں برسوں کی مہلت بھی میسر نہیں۔ تمہارے سامنے صرف ایک راستہ کھلا ہے' یہ کہ اپنے رب کی بندگی اختیار کر لو۔ اللہ کی غلامی میں آجاؤ تو دنیا بھر کے فرعونوں' ہامانوں اور قارونوں کے آہنی طوق موم ہو کر تمہارے قدموں میں آگریں گے۔ تمہارے لئے سب دروازے بند ہو چکے ہیں' صرف ایک در ہے جس سے تم نے خود منہ موڑ لیا' جاؤ اسی پر اپنی جبینیں بچھا دو۔ وہ ایک سجدہ تمہیں ہزار سجدے سے نجات دے سکتا ہے جسے تم گراں سمجھ بیٹھے۔ تم نے حاکمیت عوام کا ناٹک دیکھ لیا' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خلافت کو بھی تو آزما کر دیکھو جس کے نقوش تاریخ کے صدف میں گہر کی طرح محفوظ ہیں۔ یہی وہ نظام ہے جس نے تمہارے آباء کو اللہ کی غلامی میں دے کر پوری دنیا کا امام بنا دیا تھا۔ کیوں فراموش کر بیٹھے ہو کہ اس نئی دنیا کو درس حریت انہی غلاموں سے ملا تھا۔ اور یہ غلامی تمہیں منظور نہیں تو ہم بتائے دیتے ہیں کہ تمہارے سیاسی لیڈر' دانشور' صحافی اور اہل قلم تمہیں لوریاں دے کر سلانا چاہتے اور جو سہانے خواب دکھانا چاہتے ہیں ان کی بھیانک تعبیر سامنے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں۔ ○○

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۳ شمارہ ۲۹

۲۶/جولائی ۱۹۹۴ء

14

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے مزنگ روڈ۔ لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ: ۶/- روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) ۱۲۵/- روپے

زرِ تعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۰ "
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۶ "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰ "

الھدیٰ

سورۃ البقرہ

آیت نمبر ۱۹۶

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور پورا کرو حج و عمرے کو اللہ کے لئے'

(حج کے ضمن میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر کرنے کے بعد اب حج و عمرے کے احکام کا بیان ہے کہ کسی نے اگر اللہ وحدہ لاشریک کے لئے حج یا عمرے کا احرام باندھا ہے تو اس کا پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ پورا کئے بغیر درمیان ہی میں حالت احرام سے نکل جانا کسی طور مناسب نہیں۔ یہاں آیت کے بین السطور مسلمانوں کے لئے یہ تاکید بھی موجود ہے کہ تمہارا حج اور عمرہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا چاہئے' اس میں شرک و بدعت کی کوئی آلائش نہیں شامل ہونی چاہئے اور اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ تجارت و کاروبار کو اس میں مقصود کا درجہ دے کر اس اہم عبادت کا اصل مقصد تمہاری نظروں سے او جھل ہو جائے!)

پس اگر تم گھر جاؤ تو جو قربانی میسر ہو' وہ پیش کردو' اور اپنے سر نہ مونڈو جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے'

(کہ اگر راستے میں دشمن تمہیں نرغے میں لے لے اور کوئی ایسی رکاوٹ کھڑی کردے کہ تمہارا بیت اللہ تک پہنچنا ناممکن ہو جائے یا کسی مرض کی وجہ سے راستے ہی میں رکنے پر تم مجبور ہو جاؤ' تو تمہارے ذمہ ہے کہ جو قربانی بھی تمہیں میسر آئے' جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری ہے' اسے اللہ کی جناب میں پیش کردو۔ تاہم تم اپنے سر اس وقت تک نہیں مونڈ سکتے جب تک کہ یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ قربانی ٹھکانے لگ گئی ہے یعنی اپنے مقام پر پہنچ کر قربان کردی گئی ہے)

تو جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہوگا روزے یا صدقہ یا قربانی کی شکل میں'

(کہ احرام کی حالت میں اگر کوئی شخص کسی بیماری یا تکلیف کے سبب سے سر منڈانے پر مجبور ہو جائے تو اسے کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کفارے کی تین صورتیں ممکن ہیں' یا تو وہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلائے یا دم جنایت کے طور پر ایک بکرا یا دنبہ اللہ کی راہ میں قربان کردے)

پھر اگر تم حالت امن میں ہو تو جو کوئی عمرے سے فائدہ اٹھائے حج تک تو جو قربانی میسر ہو وہ پیش کرے۔ پھر جس کو قربانی میسر نہ آئے تو وہ تین دن کے روزے رکھے حج کے زمانے میں اور سات دن کے روزے تمہارے واپس لوٹنے پر۔ یہ کل دس روزے ہوئے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔

(زمانہ جاہلیت میں ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کی ادائیگی کو معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ حدود حرم میں رہنے والوں کے لئے تو حج اور عمرے کے لئے الگ الگ سفر کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ تو بیت اللہ کے قرب و جوار میں مقیم تھے لیکن دور سے آنے والوں کے لئے اس میں زحمت کا پہلو موجود تھا۔ ان کی سہولت کے لئے شریعت نے انہیں یہ رخصت مرحمت فرمائی کہ ایک ہی سفر میں وہ حج اور عمرہ دونوں کی برکات سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوگی کہ وہ پہلے عمرہ ادا کریں اور احرام کھول دیں۔ پھر حج کی تاریخوں میں نیا احرام باندھیں اور مناسک حج کی ادائیگی مکمل کریں۔ اس سہولت کے بدلے میں ان پر ایک قربانی لازم آئے گی۔ اگر کسی سبب سے قربانی میسر نہ آئے تو دس دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ تین' ایام حج کے دوران اور بقیہ سات' گھر واپس پہنچ کر!)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

(کہ ان تمام احکام سے اصل مقصود تقویٰ کا حصول ہے۔ دل میں اگر اللہ کی خشیت اور اس کی سزا کا خوف موجود ہوگا تو تمام معاملات صحیح ڈگر پر چلیں گے' ورنہ شریعت و قانون کو بازیچہ اطفال بناتے کہاں دیر لگتی ہے!!۔ اعاذنا اللہ من ذلک)

داعی تحریک کے تیسرے خطبۂ خلافت کی تیسری قسط

خلافت میں کفالت عامہ کا فطری نظام

مرتبہ: نثار احمد ملک

یورپ کے اکثر ویلفیئر سسٹم غیر فطری ہیں' دم توڑ دیں گے

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ ہم نے عہد حاضر کے اہم مسائل پر گفتگو کا آغاز کیا ہے تاکہ بات نکھر کر سامنے آئے۔ اس وقت ایک بحث بیع موجل اور بیع مرابحہ کے حوالے سے بھی جاری ہے۔ بیع موجل یہ ہے کہ آپ کوئی شے نقد پہ خریدتے ہیں تو اس کی قیمت سو روپے ہے اور اگر ایک سال کے ادھار پر لیتے ہو تو اس کی قیمت ایک سو بیس روپے ہو گی۔ ہمارے ہاں اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں' میں عرض کروں گا کہ عقل اور منطق کے استدلال سے اس میں اور سود میں فرق کیا ہے؟ اس میں استثنیٰ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز نقد کی مل ہی نہیں رہی' یا کوئی ایسی چیز ہے کہ جس کی نقد اور ادھار قیمت میں فرق نہیں ہے۔ مثلاً اگر معاملہ اس طرح طے ہوا ہو کہ جو بھی قیمت معین کی گئی ہے وہ ایک سال بعد ادا کی جائے گی۔ اس ضمن میں ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ اگر بعد میں مہلت زیادہ ہوگئی ہے تو اب قیمت نہیں بڑھا سکتے۔ اگر قیمت بڑھائیں گے تو یہ سود ہو جائے گا۔ لیکن وہ چیزیں جو کہ بازار سے نقد قیمت پر دستیاب ہوں' آپ قسطوں پر لیتے ہیں اور زیادہ قیمت ادا کرتے ہیں' اب جو قیمت میں اضافہ ہے' اس کو سود کے علاوہ کیا نام دیا جا سکتا ہے؟۔ اس کے جواز کا کوئی معین فتویٰ بھی نہیں ہے' ایک عبارت کہیں سے نکلی ہے جس کے الفاظ ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کا رواج ہے۔ اب اس کو لے کر ہمارے ہاں جو سارا قسطوں کا کاروبار ہو رہا ہے' اس کا جواز ڈھونڈا جا رہا ہے۔ اسی سے ضیاء الحق صاحب نے سود کو مشرف بہ اسلام کیا ہے۔ اس وقت بینکوں میں جو PLS کا نظام ہے وہ اسی قسم کی دلیلوں سے جاری و ساری ہے۔ آپ کسی بینکار سے PLS کے حوالے سے پوچھ لیں' وہ صاف کہے گا کہ سود ہے' ہم نے صرف نام تبدیل کیا ہے۔ اس طرح مختلف فقہی حیلوں سے بیع موجل کے جواز کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔

اسی طرح کا معاملہ بیع مرابحہ کا ہے۔ بیع مرابحہ کیا ہے؟ اس کو آپ یوں سمجھئے کہ میں نے بازار سے کوئی چیز خریدنی ہے لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے' اب میں کہتا ہوں کہ آپ مجھے بازار سے خرید کر لا دیجئے میں آپ کو اس پر اتنا نفع دے دوں گا۔ اگر آپ سو روپے کی وہ چیز خرید کر لاتے ہیں تو میں آپ کو دس روپے دے دوں گا۔ یہ دراصل اس شخص کی محنت کی قیمت ہے اور بالکل جائز ہے۔ اسے ایک طرح کی وکالت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت' اس کو بنیاد بنا کر بینکنگ کے نظام کو "نام نہاد اسلامی" بنایا گیا ہے جو حقیقت میں سود ہے۔

اس حوالے سے میں نے علامہ اقبال مرحوم کا ذکر کیا تھا کہ انہوں نے اس دور میں بہت گہری حقیقت تک رسائی حاصل کی تھی۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ دور ملوکیت کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اسی لئے علامہ اقبال نے "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں ابلیس سے کہلوایا ہے کہ

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں

یہ بات میں نے پہلے بھی کہی ہے کہ دور ملوکیت میں یہ چیزیں رفتہ رفتہ ہمارے ہاں در آئیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم نے ان کو کل دین سمجھ لیا ہے جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن و سنت کے اصل اہداف کی طرف پلٹا جائے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عہد حاضر میں عوام کی بہبود اور عدل و قسط کے تقاضے کیا ہیں۔ آج کے دور میں اصل اہمیت اجتماعی نظام کی ہے۔ اس کے علاوہ شریعت کے نزول کا مقصد ہی نظام عدل و قسط کا قیام ہے۔ چنانچہ سورۃ حدید کی آیت نمبر پچیس میں ارشاد ربانی ہے کہ "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط" کہ ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات اور واضح تعلیمات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہوں۔ اگر اس کے برعکس Have and have nots کی گہری خلیج موجود ہے' انسانیت مترفین اور محرومین' مستضعفین اور مستکبرین میں تقسیم ہے تو ظاہر بات ہے شریعت کا جو اصل مقصد ہے وہ تو حاصل نہیں ہو رہا۔

موجودہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں بھی ایک اچھی چیز موجود ہے۔ اگرچہ اسلام نے وہ چیز اس سے بھی بہتر انداز میں عطا کی ہے۔ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں وہ چیز Unempolyment allownce ہے۔ اس وقت تقریباً تمام یورپی ممالک میں ویلفیئر کا نظام کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ یہ نظام اپنی اعلیٰ ترین سطح پر سکنڈے نیوین ممالک میں موجود ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں جن اسکولوں میں Billianare کا بچہ پڑھتا ہے انہیں اسکولوں میں اس شخص کا بچہ بھی پڑھتا ہے جو welfare allownce پر گزارا کر رہا ہے۔ یہی معاملہ علاج معالجہ اور دیگر بنیادی سہولیات میں بھی کارفرما ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک فلاحی ریاست کی جو بلند ترین سطح ممکن ہے وہ Scandanavian countries میں موجود ہے۔ برطانیہ تو ان ممالک کے آس پاس بھی نہیں پہنچ سکا جبکہ امریکہ تو ابھی بہت دور ہے۔

اسلام نے بھی یہی شے اس سے بہتر انداز میں عطا کی ہے۔ مغربی سرمایہ دارانہ نظام اسے managment of capatalism

internal کی اصطلاح سے پہچانتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر کھلے مقابلے کا ماحول موجود ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ لوگ بہت آگے چلے جائیں گے اور کچھ پیچھے رہ جائیں گے۔ اب اس gap کو کم کرنے کے لئے کوئی Back Feed ہونا چاہئے ورنہ ان دو طبقات میں خلیج زیادہ ہوجانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بھوکے' پیٹ بھروں کا پیٹ چاک کریں گے لہٰذا اب انہیں کچھ کھلا پلا کر خاموش رکھنا ہے۔ دراصل یہ سرمایہ دارانہ نظام کی ناگزیر ضرورت ہے۔ اسلام نے اسی مقصد کو زکوٰۃ کے ذریعے پورا کیا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو محض ٹیکس کے طور پر لاگو نہیں کیا بلکہ اس کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اس وقت سرمایہ دارانہ نظام میں ٹیکس سے بچنا تو ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے۔ چنانچہ اس کے لئے مختلف قانونی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ سرمایہ داروں کی مدد کے لئے بڑی بڑی فرمیں ہوتی ہیں جو بڑی بھاری فیس لے کر انہیں راستے بتاتی ہیں کہ ایسا کرو گے تو ٹیکس سے بچ جاؤ گے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو عبادت کا درجہ دیا ہے لہٰذا کوئی مسلمان اس کو avoid نہیں کرے گا۔

اب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ زکوٰۃ اصل میں ہے کیا؟ زکوٰۃ کے بارے میں قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "خذ من اغنیاء ھم وتردوا الی فقراء ھم" یعنی ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور فقراء کو دے دی جائے گی۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ غنی سے مراد Billianare نہیں ہے اور نہ ہی فقیر کے معنی یہ ہیں کہ اس قدر بھوکا ہو کہ فاقے آرہے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک پختہ لائن کھینچ دی گئی ہے۔ وہ لائن یہ ہے کہ اگر سات تولے سونا یا باون تولے چاندی کی مالیت آپ کے پاس موجود ہے تو آپ doners میں شامل ہیں۔ گویا آپ غنی ہیں۔ اس کے برعکس اگر آپ کے پاس سات تولے سونا نہیں ہے تو آپ recipient ہیں۔ اس طرح دینے والے اور لینے والے کے درمیان ایک فصیل کھینچ دی گئی ہے۔

اس موقع پر میں یہ بھی عرض کرتا جاؤں کہ اس زکوٰۃ کے نظام پر بہت بڑا ظلم ہمارے مرحوم صدر ضیاء الحق نے کیا ہے۔ زکوٰۃ آرڈیننس اور زکوٰۃ کے نظام کو خالص اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک منظم بھیک کا نظام وجود میں آگیا۔ زکوٰۃ کا اصل نظام کفالت عامہ کے لئے ہے۔ اسلامی ریاست کو اپنے تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی ذمہ داری قبول کرنا پڑے گی۔ ہمارے ہاں کسی زمانے میں روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا گیا تھا' یہ نعرہ غیر اسلامی ہرگز نہ تھا۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ یہ نعرہ لگانے والے جاگیردار تھے۔ ان جاگیرداروں نے اپنے وقتی سیاسی مقاصد کے لئے اس نعرہ کو استعمال کیا۔ ان میں سے کسی کی بھی نیت کچھ کر گزرنے کی نہ تھی ورنہ ضرور کچھ نہ کچھ عملی اقدامات کئے جاتے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ زکوٰۃ کے نظام کے ساتھ جو کچھ ضیاء الحق مرحوم نے کیا ہے' وہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اس شخص نے زکوٰۃ کے نظام کو بدنام کیا ہے۔ ضیاء الحق صاحب کا زکوٰۃ کا نظام یہ ہے Fixed deposit کے اندر سے سود کا ایک حصہ لے کر اسے زکوٰۃ کا نام دے دیا گیا ہے جبکہ زکوٰۃ کا اصل نظام نافذ ہی نہیں کیا گیا۔

زکوٰۃ کا اصل نظام ہے کیا؟ وہ نظام یہ ہے کہ تمام اموال تجارت پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ نافذ کی جائے گی۔ فرض کیجئے کہ آپ کی دکان میں پانچ لاکھ کا مال پڑا ہوا ہے' آپ سے اڑھائی فی صد کے حساب سے لے لیا جائے گا۔ اس طرح آپ کی انکم سے کوئی بحث سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ پچھلے سال چھ لاکھ کا مال ہو' جبکہ اس سال ایک لاکھ آپ کو خسارہ ہوا ہو۔ گویا پچھلے سال چھ لاکھ تھا تب بھی زکوٰۃ نافذ تھی' اب پانچ لاکھ ہے تب بھی زکوٰۃ لی جائے گی اور آئندہ سال چار لاکھ رہ جائے تب بھی آپ کو زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اگر اس کے برعکس چھ لاکھ سے سات لاکھ ہوجائے تب بھی مقررہ شرح سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ جب تک کوئی شخص "صاحب نصاب" ہے' اسے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ اگر کوئی نصاب سے نیچے ہے تو اب اس کا شمار لینے والوں میں ہوجائے گا۔ آپ کے پاس جتنا بھی مال ہے' گودام میں' کارخانے میں یا دکان میں' آپ کو اڑھائی فی صد دینا ہوگا۔ اگر کوئی کارخانہ ہے تو مشینری' زمین اور عمارت مستثنیٰ ہوں گے۔ اس کے علاوہ جتنا بھی خام مال اور تیار شدہ مال موجود ہے' اس سب پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

زکوٰۃ کے نظام کو اگر اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ کردیا جائے تو سکینڈے نیوین ممالک سے کہیں بہتر ویلفیئر کا نظام لایا جاسکتا ہے۔ اس "ویلفیئر" کے نظام کا فائدہ یہ ہوگا کہ دولت گردش میں آئے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر غریبوں کی قوت خرید میں اضافہ ہوگا تو اس سے کاروبار میں تیزی آئے گی۔ اس طرح اس کی برکات پھر لوٹ کر پورے معاشرے میں پھیل جائیں گے اور پورے معاشرے میں خوشحالی آئے گی۔ اس خوشحالی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ بھی اس معاشرے کا ایک جز ہیں لہٰذا بالواسطہ طور پر آپ کو بھی Feed Back مل جائے گا۔

اس زکوٰۃ کے نظام کے حوالے سے ایک اور اہم بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ مال کی دو قسمیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے زمین کی دو قسمیں ہیں۔ وہ دو قسمیں "اموال ظاہرہ" اور "اموال باطنہ" ہیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی بتایا جاؤں کہ آپ نے یہ اکثر سنا اور پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں لوگ زکوٰۃ لے کر پھرتے تھے لیکن لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں تو زکوٰۃ بیت المال وصول کرتا تھا' یہ لے کر پھرنا' چہ معنی دارد؟ اس سوال کا جواب اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تقسیم کو سمجھنے پر منحصر ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ زکوٰۃ بیت المال اس لئے لیتا تھا کہ اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت ریاست کے ذمہ تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا ہی یہ قول بھی ہے کہ اگر دجلہ و فرات کے کنارے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرگیا تو قیامت کے دن عمرؓ اس کا ذمہ دار ہوگا! آپ اندازہ لگائیں کہ کہاں انسان کی جان اور کہاں ایک کتے کی جان کی ذمہ داری؟

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ کفالت عامہ کے اصول کے مطابق ہر انسان کی بنیادی ضروریات کی بہم رسانی نظام خلافت کے تحت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے زکوٰۃ جبراً بھی وصول کی جائے گی۔ لیکن شریعت اسلامی نے بہت سی حکمتوں کے تحت اموال کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اموال کی پہلی قسم "اموال ظاہرہ" ہیں۔ مثلاً آپ کی دکان میں جو کچھ مال پڑا ہے' یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہے۔ ظاہر بات ہے آپ اسے جیب میں تو نہیں چھپا سکتے نہ تکیے کے نیچے ہی رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح اونٹوں اور بھیڑوں کا گلا ہے' جو میدان میں ہے لہٰذا جاؤ اور گنتی کرلو۔ آپ کارخانے میں جاکر دیکھ سکتے ہیں کہ اتنا دھاگہ ہے' اتنا تیار شدہ کپڑا ہے اور اور اتنی روئی ہے۔ اس طرح حساب لگا کر نظام خلافت کے تحت اموال ظاہرہ پر زکوٰۃ کا نفاذ کیا جائے گا۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ یہ زکوٰۃ جبراً بھی لی جائے گی' ایک ایک

پائی کا حساب لیا جائے گا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا حوالہ بھی دیتا جاؤں۔ آپ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جب اقدام کیا تو فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ کہیں کہ اونٹ لے جاؤ اور اونٹ باندھنے کی رسی نہیں دیں گے، تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ کہاں اونٹ کی قیمت اور کہاں اونٹ کی رسی! لیکن اصل بات یہ ہے کہ دین میں اتنی ترمیم بھی آپ ؓ کو گوارا نہ تھی۔ چنانچہ آپ نے کہا تھا کہ "أَيُبدلُ الدین وانا حی" کیا دین کو تبدیل کر دیا جائے جبکہ میں ابھی زندہ ہوں۔ گویا اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ ہر صورت میں وصول کی جائے گی۔ اس میں کسی قسم کی رو رعایت روا نہیں رکھی جائے گی۔

اموال کی دوسری قسم "اموال باطنہ" ہے۔ مثلاً آپ نے کچھ نقدی اور زیور اپنے گھر میں کسی آڑے وقت کے لئے رکھا ہوا ہے، اس کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔ ان اموال کی زکوٰۃ جبراً وصول نہیں کی جائے گی۔ یہ آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ اس میں آپ کو یہ آزادی حاصل ہے کہ چاہیں تو زکوٰۃ ریاست کو دے دیں، چاہیں تو اپنے طور پر دے دیں۔ یہی اموال باطنہ وہ تھے جن کی زکوٰۃ لوگ لے کر گھومتے تھے لیکن کوئی قبول کرنے والا نہیں ملتا تھا۔

یہاں میں یہ بات بھی عرض کرتا چلا جاؤں کہ سکنڈے نیوین سوشلزم اور ویلفیئر کا نظام اب زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ یہ بات میں نے کئی سال پہلے کہی تھی کہ ویلفیئر کی اتنی بلند سطح برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اب اس کے زوال کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ نیز وہاں کے لوگ میری اس بات کی گواہی بھی دے رہے ہیں۔ میرے نزدیک ویلفیئر کا یہ نظام اسلام میں برقرار رکھا جاسکتا ہے لیکن وہاں نہیں رکھا جاسکتا۔ اسلام نے معاملہ دو طرفہ کیا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے لیکن دوسری طرف لینے والے سے کہا ہے کہ یہ تمہاری غیرت کی نفی ہے کہ تم زکوٰۃ قبول کرو۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو اور کسی کا محتاج نہ رہے۔ چنانچہ ہمیں سیرت میں بھی یہ واقعات مل جاتے ہیں۔ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس خیرات کے لئے آیا۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ چیزیں ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ لے آؤ۔ آپ نے ان چیزوں میں سے کچھ کو فروخت کیا، جو پیسے ملے اس کا کلہاڑا خریدنے کا حکم دیا۔ جب وہ صحابی کلہاڑے کا "پھل" خرید کر لائے تو آپ ؐ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ ڈالا اور کہا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاؤ اور بیچو۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی محنت سے کما کر کھانا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنا یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم خیرات کھاؤ۔ آپ ؐ نے صدقہ و خیرات کو لوگوں کے اموال کی میل کچیل کہا ہے۔ اسی لئے آپ ؐ نے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو زکوٰۃ اور صدقات لینے سے مستثنیٰ کردیا۔ آپ ؐ نے ہاتھ سے کمانے کی زیادہ ترغیب دلائی ہے۔ آپ ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "الکاسب حبیب اللہ" ہاتھ سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی ہاتھ کی کمائی ہے۔ حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتے تھے۔ وہ اس طرح کے بادشاہ نہ تھے کہ خزانہ اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہوں بلکہ اپنے ہاتھ سے زرہ بنا کر روزی کماتے تھے۔ OO

(جاری ہے......)

قرآن کالج لاہور

اطلاع برائے داخلہ

- قرآن کالج لاہور میں ان شاء اللہ ایف۔اے (دو سالہ کورس) اور ایم۔اے (عربی و معاشیات) میں داخلے کی درخواستیں ۱۶/ اگست تک وصول کی جائیں گی۔ انٹرویو ۱۷/ ۱۸ اگست کو ہو گا اور تدریس کا آغاز ۲۰/ اگست کو۔
- یہ اطلاع روزنامہ جنگ اور نوائے وقت کے لاہور ایڈیشن میں بھی شائع کرادی جائے گی۔
- مذکورہ بالا کلاسوں میں داخلہ کے خواہش مند حضرات سے گزارش ہے کہ وہ پندرہ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کرلیں۔ اور اپنا داخلہ فارم پر کر کے قرآن کالج کے پتہ پر ارسال کر دیں۔ جن اصحاب کے داخلہ فارم کالج آفس میں موجود ہوں گے انہیں انٹرویو کی تاریخ سے بذریعہ ڈاک مطلع کر دیا جائے گا۔
- جن مقامات پر میٹرک اور بی۔اے کے نتائج شروع اگست تک متوقع نہیں ہیں، وہاں کے خواہش مند حضرات بھی متوقع نتیجہ کی بنیاد پر داخلہ لے سکتے ہیں۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج لاہور

۱۹۱۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

پسر اقبال اور توہین رسالت کی تعزیر

ایک عقیدتمند نے ڈاکٹر جاوید اقبال کو مخاطب کرنے کی جرات کی ہے

جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب'

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ: مزاج گرامی!

میں آپ کی علمی بصیرت اور جذبہ حب الوطنی کا معترف ہوں اور قدر دان بھی' یوم اقبال کی تقریب میں ہر دفعہ آپ کی تقریر سننے کا موقع ملتا ہے۔ پریس کے ذریعے آپ کے خیالات سے بھی آگہی ہوتی رہتی ہے۔ اس تمہید سے عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ میں آپ کو ایک دانشور سمجھتا ہوں جو ملی و ملکی مسائل پر غور و فکر کے ساتھ ساتھ اس کا قابل عمل حل بھی پیش کرنے کی صلاحیت و جرأت رکھتا ہے۔ بایں ہمہ مجھے بعض اوقات آپ کے بعض خیالات سے اختلاف ہوتا ہے اور ظاہر ہے یہ اختلاف ناپسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

محترم ڈاکٹر صاحب! توہین رسالت کے مسئلے پر آپ کے اخباری بیان کو پڑھ کر حیرت ہوئی۔ اسی حیرت نے مجھے مجبور کردیا کہ میں اپنے خیالات کو آپ تک پہنچاؤں۔ کیا عجب کہ توہین رسالت کے مسئلے پر آپ کی الجھن رفع ہوجائے اور آپ اس نوع کے دینی موضوعات پر ٹھوس اور مدلل موقف اپنا سکیں۔

۶ جولائی کے اخبارات میں آپ کا بیان چھپا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "میں توہین رسالت کے قانون کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" ڈاکٹر صاحب آپ نے اپنے متذکرہ بیان ہی میں اپنے موقف کی یوں نفی کردی کہ آپ نے واضح طور پر اس سلسلہ میں اپنا نقطہ نظر بیان فرمایا دیا ہے۔ گویا آپ کا طرز عمل "صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں" کے مصداق ہے۔ ایک طرف آپ عوامی جذبات سے بھی ڈرتے ہیں اور دوسری جانب "تجدد پسند" طبقے سے اپنا ناطہ جوڑے رکھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی اس "سادگی" پر داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

جناب ڈاکٹر صاحب! آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اہانت رسول کے جرم میں کسی غیر مسلم کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ یہ سزا صرف مسلمان کو ہی دی جاسکتی ہے۔" (بحوالہ فتاوی عالم گیری) آپ کے خیالات و افکار سے اخباربین طبقہ بخوبی آگاہ ہے' جنہیں آپ گاہے گاہے قومی پریس کے ذریعے ہم جیسے بے دانش لوگوں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ آپ کا اسلامی فقہ کے بارے میں ایک بڑا واضح موقف ہے' جسے آپ بغیر کسی جھجک کے بیان بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہ اسلامی کی تدوین نو ہونی چاہئے چونکہ اب حالات و واقعات میں تبدیلی واقع ہوچکی ہے لہٰذا اس میں اجتہاد ہونا چاہئے۔ قدیم فقہ کو حالات حاضرہ کی روشنی میں جدید قالب میں ڈھالنا ازبس ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ

آپ کے یہ خیالات بڑے قیمتی اور مبارک ہیں' جن کی ہم سب قدر کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات آپ کی طرف سے ایسے موضوعات کو بھی اجتہاد کے حوالے کرنے کی تجویز آتی رہتی ہے جو سرے سے دائرہ اجتہاد میں آتے ہی نہیں۔ مگر توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کے بارے میں وفاقی وزیر قانون کے بیان سے عوام کا جو رد عمل سامنے آیا ہے اس کے ہوتے ہوئے آپ کی اس جرات مندی کی داد دیتا ہوں کہ آپ جیسا دانشور بھی اس شعر کا مصداق کامل نظر آتا ہے۔

خود بدلتے نہیں' قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

آپ قدیم فقہ میں اجتہاد کی بات بڑے تسلسل سے کرتے رہتے ہیں مگر توہین رسالت کے مسئلے میں آپ اسی "قدیم فقہ" عالم گیری ہی سے حوالہ لا رہے ہیں۔ جسے آپ دوسرے مسائل میں حجت ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ یہ انداز فکر کسی طرح بھی آپ جیسے روشن خیال اور ترقی پسند مفکر کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ خود اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں' ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

محترم ڈاکٹر صاحب! توہین رسالت جیسا کہ آپ بھی مانتے ہیں' حد درجہ حساس اور نازک مگر بنیادی مسئلہ ہے۔ آپ تو ملک کی اعلیٰ عدالتوں سے متعلق رہے ہیں۔ کسی جج کے بارے میں غیر مناسب الفاظ' رویہ یا تبصرہ توہین عدالت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جسے آج کی مہذب اور جدید دنیا نے بھی قابل تعزیر رکھا ہے۔ اسی طرح ملکی آئین کو بھی ایک طرح کا تقدس اور تحفظ حاصل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر ہر ملک کا قومی پرچم بھی احترام کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے نمائندے و رسول ہی وہ لوگ ہیں جن کی عزت و ناموس پر جو چاہے' جب چاہے اور جس طرح چاہے حملہ آور ہوجائے۔ کوئی اخلاق' کوئی قانون اور کوئی دستور اس غیر معقول و غیر انسانی طرز عمل پر اسے قابل مواخذہ نہ سمجھے۔ مجھے سخت حیرت ہے آپ کے اس موقف پر' فاعتبروا یا اولی الابصار!

جاوید صاحب! آپ ایک قانون دان اور دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ "اقبال" کے فرزند ارجمند بھی ہیں۔ توہین رسالت جیسے گھناؤنے جرم کی سزا کے بارے میں علامہ اقبال کا موقف یقیناً آپ کے علم میں ہوگا۔ اگر آپ اسے غلط سمجھتے ہیں تو علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ آپ اس پر بھی قوم کی رہنمائی فرما کر اپنی بات ڈنکے کی چوٹ کہیں۔ آپ اقبال اکیڈمی میں رہے ہیں' اسی اکیڈمی کی مطبوعہ کتاب "اقبال اور

محبت رسول" پیش نظر ہے۔ جس کے مصنف ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی ہیں۔ اپنی کتاب کی تمہید میں حضور ﷺ کی ذات اقدس سے علامہ کی وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ "روزگار فقیر" نامی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ "نتھورام (ہندو) نے ایک کتاب "تاریخ اسلام" انگریزی میں شائع کی تھی۔ اس میں حضور ﷺ کی شان اقدس میں انتہائی گستاخیاں کی تھیں۔ مسلمانوں نے اس شاتم رسول ﷺ پر مقدمہ دائر کیا مگر کچھ نہ بنا۔ ہزارہ کا ایک نوجوان کراچی میں وکٹوریہ چلاتا تھا۔ اس نے سنا تو اس کے غم وغصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک دن عین مقدمہ کی سماعت کے دوران وہ اپنا تیز دھار کا چاقو لے کر نتھورام پر حملہ آور ہوگیا۔ جس سے نتھورام واصل جہنم ہوا۔ مسلمانوں نے عبدالقیوم شہید کے مقدمہ کی ہائی کورٹ تک پیروی کی مگر سزائے موت ہر جگہ بحال رہی۔ فروری ۱۹۳۵ء میں کراچی کے مسلمانوں کا ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور پہنچا۔ وفد نے مقدمہ کی روداد تفصیل سے سنائی۔ اس کے بعد عرض کیا کہ آپ وائسرائے سے ملاقات کریں اور اپنے اثر ورسوخ کو کام لائیں کہ غازی عبدالقیوم کی سزائے موت عمر قید میں بدل دی جائے۔ علامہ اقبال وفد کی یہ گفتگو سن کر دس بارہ منٹ تک بالکل خاموش رہے۔ پھر فرمایا "کیا عبدالقیوم کمزور پڑگیا ہے؟ ارکان وفد نے کہا' نہیں۔ اس نے تو ہر عدالت میں اپنے اقدام کا دفاع کیا ہے' اقبال اور اعتراف کیا ہے۔ وہ تو کھلے خزانے کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے' مجھے پھانسی سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ "وفد کی اس گفتگو کو سن کر علامہ کا چہرہ تمتا گیا۔ انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا کہ جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر وثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں جو زندہ رہا تو غازی' مرگیا تو شہید ہے؟"

(اقبال اور محبت رسول صفحہ نمبر ۷ .۸)

اسی کتاب کے مصنف آگے چل کر لکھتے ہیں "غازی علم دین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کی محبت رسول میں شہادت اور سرفروشی کے واقعات سے علامہ اقبال بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے "لاہور اور کراچی" کے عنوان سے تین اشعار کا ایک قطعہ کہا جس میں خاص طور پر غازی عبدالقیوم کے اس واقع کی طرف بلیغ اشارہ پایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ اے مرد مسلماں! تجھے کیا یاد نہیں؟
حرف لا تدع مع اللہ الٰہا آخر

(بحوالہ ضرب کلیم صفحہ ۵۲ .۵۳)

ڈاکٹر صاحب! آپ فرزند اقبال ہیں۔ اسی حوالے سے آپ اپنے والد گرامی حضرت علامہ اقبال کے طرز عمل کا بھی جائزہ لیں۔ حضرت علامہ کا موقف کیسا واضح' کتنا ٹھوس اور عوامی جذبات سے کس قدر ہم آہنگ تھا اور ہے۔ مگر آپ مسلمانوں کو عالمگیری فقہ کی آڑ لے کر توہین رسالت کے مسئلے میں دانستہ گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس کی کوئی توجیہہ کرنا میرے لئے ممکن ہے نہ ضروری۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب! میں آپ جیسے لوگوں کو خلوص واخلاص کے جذبے سے یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ خدارا جدیدیت کے فلسفہ کے زیر سایہ کہیں اپنے ایمانی تعلق کو گنوا نہ بیٹھیے گا۔ جس لادینی تہذیب کو آج کا دانشور طبقہ راہ نجات خیال کرتا ہے' اس کی اساس ہی دین واخلاق کی دائمی دشمنی پر قائم ہے اور ہر زمانے میں مادیت کے بتکدے میں نئے بت تراشنا اس کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ علامہ اس نامعقول رویئے سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لیکن از تہذیب لادینی گریز
زاں کہ او با اہل دل دارد ستیز

ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب! آپ کے والد گرامی ہی کا ایک شعر آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

کرسکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے پیرو نکلے

ویسے ڈاکٹر صاحب کیا خیال ہے آپ کا ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے بارے میں کہ وہ دونوں بھی گستاخ رسول تھے کہ نہیں۔ اگر تھے تو قرآن ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ "تباہ و برباد ہوگیا ابولہب اور ٹوٹ گئے اس کے ہاتھ اور اس کی بیوی بھی"

قرآن کا یہی مضمون علامہ نے بیان فرمایا۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اس کے بعد بھی شاتم رسول اور اہانت رسول کے مرتکبین کو عام معافی کی نویدیں سنانا کہاں کی مسلمانی ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور ڈاکٹر صاحب ہمارا تو یہ عقیدہ ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے۔ کہ

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ماز نام مصطفیٰ است

والسلام مع الاکرام
(نعیم اختر عدنان)
نائب ناظم
تنظیم اسلامی حلقہ لاہور ڈویژن

ڈاکٹر اسرار احمد
صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور وامیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے — اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ
رسول کامل
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور
فرائض دینی اور اسوۂ رسول
سورۃ احزاب رکوع ۲-۳ کی روشنی میں

اطلاع
تحریک خلافت پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ۴۔اے مزنگ روڈ لاہور میں فیکس مشین نصب کردی گئی ہے جس کا نمبر 311668 ہے۔

زیڈ اے سلہری ۔۔۔ بنام ۔۔۔ نواز شریف

اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

سیاست کا کھیل اس کھیل کے قواعد کے مطابق تو کھیلئے

روزنامہ جنگ لاہور میں زیڈ اے سلہری صاحب کا یہ اظہاریہ دو قسطوں میں شائع ہوا ہے، جس کی افادیت کے پیش نظر ہم نے اسے یکجا کر کے اپنے جریدے میں بھی محفوظ کر لیا ہے۔ سلہری صاحب پاکستانی قومیت کے علمبردار اور قائد اعظم علیہ رحمت کو اپنے لئے ایک مینارۂ نور سمجھنے والے صحافیوں میں سے ہیں، جن کی پاکستان کو دولخت کرنے کے الزام کی بنا پر پی پی پی سے دشمنی اور مسلم لیگ کی علامت ہونے کے ناطے نواز شریف سے دوستی و خیر خواہی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ پاکستان کے مستقبل کی طرف سے بھی بہت پر امید رہنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن زمینی حقائق اب تحریک پاکستان کے اس بوڑھے جرنیل کو بھی حیران و پریشان رکھتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کہ ان کا تجزیہ بھی تھوڑے سے لفظی تغیر و تبدل اور تصورات کی گہرائی و گیرائی میں نسبتاً اہم تر فرق کے ساتھ وہی ہے جو امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے پچھلے دنوں پیش کر کے گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔۔۔۔ فاعتبروا یا اولی الابصار! (مدیر)

پاکستان کی عین سرحد پر بھارت کے پرتھوی میزائل کا بہرہ کر دینے والا شور بھی ہماری پر آشوب قومی سیاست کی ہنگامہ آرائیوں کو مدہم کرنے میں بظاہر ناکام رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب امریکہ نے جاپان کے دو بڑے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسائے تو روسی حکمرانوں کے دلوں میں بھی اچانک خوف خدا در آیا اور وہ دو سال تک چپ سادھے رہے تاآنکہ روس نے بھی ویسی ہی ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی جس سے وہ اس قابل ہو سکا کہ امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ افسوس کہ ہمارے ہاں بھارت کے پرتھوی میزائل کے تجربے کا اثر بالکل برعکس ہوا ہے۔ بھارت نے اپنے دفاعی اخراجات میں جو بیس فیصد اضافہ کیا ہے، ایک طرف تو ہماری حکومت نے اس پر کسی معقول رد عمل کا اظہار نہیں کیا اور دوسری طرف اپوزیشن کے مسلم لیگی جغادریوں نے دفاعی ضروریات کی بہم رسانی جو ہر بحث سے بالاتر ہونی چاہئے اسے بھی اپنی انتہائی سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس وقت وطن عزیز کو جن خطرات نے گھیر رکھا ہے ان سے اس طرح کا اغماض انتہائی المناک ہے۔ اس سے اس ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے جو مکمل طور پر ذاتی مفادات اور داخلی تقاضوں میں اس قدر منہمک ہو کہ اسے قومی فلاح و بہبود اور وطن کی بہتری کی قطعی کوئی فکر نہ ہو حالانکہ بھارت کے جارحانہ عزائم کے پیش نظر یہ ایک ایسا نازک لمحہ تھا کہ ہم تمام گروہی اختلافات دریا برد کر کے دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے۔

ہمیں اس بات کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان حالیہ محاذ آرائی نے سرکاری مشینری کو جمود کا شکار کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ بظاہر مہران بینک کا سکینڈل ہے جس میں دونوں طرف کے سیاست دان ملوث ہیں مگر بدترین بات یہ ہے کہ اس بھیانک بدعنوانی کی دلدل میں صدر مملکت کا نام بھی گھسیٹ لیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حکومت اور اپوزیشن کے درمیان تعلقات کی خرابی کی بنیادی وجہ یہی ایک چیز ہے اور اگر یہ اسباب و علل نہ ہوتے تو ریاست کے ان دونوں پہیوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہوتی؟ حقائق مختلف داستان بیان کرتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بے نظیر حکومت کے قیام کے روز اول ہی سے میاں نواز شریف نے نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا بلکہ سرے سے اسے تسلیم ہی نہیں کیا۔ انہوں نے نہ صرف پی پی پی سے ۱۱ لاکھ ووٹ زیادہ لینے کا دعویٰ کر کے اس کے حق اقتدار کو غلط قرار دیا بلکہ انہوں نے خود وزیراعظم کو بھی "سیکورٹی رسک" یعنی ملکی سلامتی کے لئے ایک خطرہ باور کرانے کی کوشش کی۔ یہ جمہوریت کی کون سی قسم ہے کہ پارلیمنٹ کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان تعلقات کار ہی موجود نہیں۔ کیا اپوزیشن پر قومی معاملات کی نگرانی کرنے اور منتخب کنندگان کے ساتھ کئے گئے وعدے پورے کرنے کے سلسلے میں کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ یہ بات تو اپنی جگہ درست ہے کہ میاں صاحب محترمہ سے ایسے بھی الرجک نہیں کیونکہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب گزشتہ برس انہوں نے وسعت قلب کا مظاہرہ کرتے ہوئے پارلیمنٹ کی امور خارجہ کی کمیٹی کی سربراہی کے لئے محترمہ کا انتخاب کیا تھا۔ بے نظیر حکومت کے ساتھ میاں صاحب کے مخاصمانہ رویئے کا بنیادی محرک اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ انہوں نے مدت اقتدار سے ڈھائی برس قبل حکومت سے اپنے اخراج کو نہ تو فراموش کیا ہے اور نہ ہی ان عناصر کو معاف کیا ہے جو ان کے قبل از وقت اخراج کا باعث بنے۔ یہ پھانس ان کی رگ و پے میں پیوست ہو کر رہ گئی ہے۔ میاں صاحب سمجھتے ہیں کہ وہ اس وقت کی حزب مخالف (پی پی پی) اور سابقہ صدر کی مشترکہ سازش کا شکار ہوئے ہیں، مانا کہ بے نظیر نے نواز ... اسحاق اختلافات کو اپنی مطلب براری کے لئے استعمال کیا لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اگر نواز شریف دانائی سے کام لیتے اور ٹھنڈے دل سے سوچتے جبکہ اس وقت ان سے استعفا کا کوئی مطالبہ بھی نہیں تھا تو سب جانتے ہیں کہ وہ تا حال اقتدار میں ہوتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد جب انہیں اقتدار واپس ملا تو سابق صدر ان سے اپنے تعلقات معمول پر لانے کے لئے بے قرار تھے۔ جس کا اظہار میں نے ایک انٹرویو میں کر دیا تھا جو ان دنوں اسی اخبار میں شائع ہوا تھا۔ صدر اسحاق اپنے اختیارات کی حدود اس قدر ناخوشگوار انداز میں واضح ہو جانے کے بعد اپنی اونچی پرواز سے نیچے اتر آئے تھے اور نتیجتہً وہ وزیراعظم کے ساتھ معمول کے تعلقات پر سے بحال کرنا چاہتے تھے جن کے ساتھ ان کا ماضی میں اس قدر تعلق رہا تھا اور جن کی سیاسی آرزوؤں کی تکمیل اور مرغوب عہدے تک پہنچانے میں انہوں

نے کوئی معمولی کردار ادا نہ کیا تھا لیکن اس وقت جب صدر کافی نرم ہو چکے تھے' میاں صاحب کا پارہ بدستور چڑھا رہا اور تمام تر آئینی و سیاسی شائستگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہوں نے صدر کے ساتھ جو اس وقت کافی نرم ہو چکے تھے تعلقات کار استوار کرنے کی کسی قسم کی خواہش کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی صدر کی ملاطفت سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش کی۔ اس طرح میاں صاحب نے صدر کی حمایت حاصل کرنیکا موقع گنوادیا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان جو محاذ آرائی شروع ہوئی اس کا میاں صاحب کو اس حد تک نقصان پہنچا کہ وفاقی حکومت کا دائرہ اختیار صرف اسلام آباد تک محدود ہو کر رہ گیا پھر اس کے بعد جو ہوا وہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ اس ساری کہانی کا حقیقت پسندانہ تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ میاں صاحب کا استعفاان کے دعوے کے مطابق قوم کی خاطر ایثار کے طور پر نہیں تھا بلکہ یہ صریحاً "رضاکارانہ" خودکشی تھی۔ ایسے حالات میں اپوزیشن سے یہ توقع رکھنا عبث تھا کہ وہ ایسے نادر موقع سے فائدہ نہیں اٹھائیگی۔

میاں نواز شریف جب وزیراعظم تھے تو میں اس وقت ان کی مختلف غلطیوں اور لغزشوں پر تنقید کرتا رہتا تھا مگر میں ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں ان کی کارکردگی سے صحیح معنوں میں متاثر ہوا تھا اور میں اپنے احساسات اور جذبات کھلے انداز میں ریکارڈ پر بھی لے آیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے افسر شاہی کی سرپرستی اور حلیفوں کی بیساکھیوں کے بغیر محض اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر انتخاب لڑا اور واضح طور پر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اپنے طور پر ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے ابھرے گو وہ وزارت عظمیٰ تک تو نہ پہنچ سکے لیکن ان کی پوزیشن بے نظیر سے خاص کمزور بھی نہ تھی لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ جس طرح وہ ایوان میں دو تہائی اکثریت رکھنے کے باوجود اچھے وزیراعظم ثابت نہ ہوئے اسی طرح وہ حزب اختلاف کے رہنما کے طور پر اپنی وسیع تر ذمہ داریوں کا صحیح ادراک بھی نہیں کر پائے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ جمہوریت چند بنیادی سمجھوتوں کے دائرے میں رہ کر ہی چل سکتی ہے' جس کا مطلب ہے کہ دونوں حریف سیاسی جماعتیں قومی مفادات کے حوالے سے نہ صرف ایک جیسی سوچ رکھتی ہوں بلکہ قریبی رابطہ بھی رکھتی ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حزب اختلاف چونکہ ایک متبادل حکومت ہوتی ہے اس لئے غیر ذمہ دارانہ رویئے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ مختلف قومی امور پر حکمت عملی مہیا کرنا اپوزیشن کی بھی اتنی ہی ذمہ داری ہوتی ہے جتنی کہ حکومت کی گویا اپوزیشن کا کردار محض حکومت پر تنقید کی بجائے بہت زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر بجٹ ایک ایسا موقع تھا جس پر اقتصادی امور کے حوالے سے ایک متبادل فلسفہ پیش کیا جاسکتا تھا لیکن اس کے برعکس میاں صاحب نے انتقامی ذہنیت پر مبنی رویہ اپنایا۔ لگتا ہے انہوں نے حکمرانوں سے رابطہ نہ کرنیکا تہیہ کر رکھا ہے' ان کی ساری سیاست حکومت کو ہر قیمت پر عدم استحکام سے دوچار کرنا ہے' وہ ہر معاملہ پر اپنی مخالفانہ آواز بلند کرتے ہیں اور تعطل پیدا کرنیکا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ محترمہ کے ہر اس بیان پر جو وہ سوچے سمجھے بغیر دے ڈالتی ہیں' جھپٹ پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر محترمہ کو سکھوں کے مسئلے پر بیان دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن میاں صاحب نے کبھی محترمہ کے ساتھ کسی قسم کے مذاکرات کے لئے مل بیٹھنے کی زحمت نہیں کی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ان تمام آٹھ مہینوں کے دوران دونوں لیڈر ایک دفعہ بھی اکٹھے بیٹھے تک نہیں' اتنی بڑی خلیج کی موجودگی میں ایک مشترکہ نظام حکومت کی بنیادیں کس طرح استوار کی جاسکتی ہیں۔

اس وقت قومی سیاست جو منظر پیش کر رہی ہے وہ خانہ جنگی کا سا ہے جبکہ میں نے میاں صاحب کے اب تک کے رویئے کا تفصیل سے ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ اس پس منظر کی وضاحت ہو جائے جس میں مہران بینک کا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے۔ مہران بینک کے معاملات کے منظر عام پر آنے کے بعد کرپشن کی بہت بڑے پیمانے پر موجودگی جس طرح سامنے آئی ہے وہ انتہائی بھیانک ہے اور ان کی چھان بین ایسے انداز میں کی جانی چاہئے کہ اس کے صاف شفاف ہونے میں کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے لیکن اپنے مخصوص انداز میں مہران بینک کے سکینڈل کے انکشاف کے ہمہ جہت اور ہمہ گیر اثرات سے ہٹ کر میاں صاحب نے صدر کی ذات پر زیادہ توجہ مرکوز کی۔ اس معاملہ میں ان کی حکمت عملی بڑی بامعنی اور بامقصد ہے کیونکہ اگر وہ صدر کو غیر معتبر ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو بے نظیر حکومت زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی۔ اس لئے کہ اس طرح بے نظیر کی مخلوط حکومت میں شامل ان کے حلیف رسے تڑا کر میاں صاحب سے جاملیں گے اور ایوان کے اندر سے تبدیلی لانے کی کوشش کریں گے اور اس طرح دونوں حریفوں کے درمیان معاملہ برابر ہو جائے گا۔ یہ انتہائی ستم ظریفی کی بات ہے کہ میاں صاحب نے صدر فاروق لغاری کی ذات کو نشانہ بنایا ہے کیونکہ وہ ہمارے دور کے ان چند سیاستدانوں میں سے ہیں جو پختگی کردار کی شہرت رکھتے ہیں۔ اپنے طور پر صدر نے اپنی زمین کی فروخت کے حوالے سے اپنی پوزیشن واضح کرنے میں کوئی دیر نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنی زمین چھ افراد یا کمپنیوں کو فروخت کی ہے۔ لغزش البتہ صدر سے یہ ہوگئی کہ انہوں نے خریداروں کی یونس حبیب کے ساتھ تعلقات کی نشاندہی نہیں کی۔ انہوں نے غالباً ایسا اس لئے نہیں کیا کہ خود کو ایک ایسے کردار سے دور رکھنا چاہتے تھے جو مجرم ثابت ہو چکا تھا۔ بہرحال یہ ایک غلطی تھی جس کی تلافی انہوں نے اس طرح کی کہ بعد میں واضح کر دیا کہ ان کی زمین کی فروخت کے پیچھے اصل کردار وہی ملعون بینکار تھا۔ بہرحال صدر کی یہ لغزش برتقاضائے بشریت تھی جس سے ان کا اعتماد مجروح نہیں ہوتا' البتہ اب یہ تنازع ایک دوسرا رخ اختیار کر گیا ہے کہ آیا فروخت شدہ زمین وہی زرخیز زمین تھی جس کی نشاندہی صدر نے کی یا وہ تھی جس کی طرف میاں نواز شریف نے اشارہ کیا تھا' گو یہ بھی پتہ چلا ہے کہ میاں صاحب کی بتائی ہوئی زمین صرف ۷ قطعات پر مشتمل ہے جبکہ فروخت کی گئی زمین ۲۱ قطعات پر مشتمل ہے۔ ریونیو کا ریکارڈ بھی صدر کے موقف کی تائید کرتا ہے لیکن یہ ایک بیکار سی بحث ہے' معاملہ کچھ بھی ہو مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جانا چاہئے۔ عدالتی کمیشن کے ساتھ ساتھ جو کہ پہلے ہی تشکیل دیا جاچکا ہے' پارلیمانی کمیٹی بھی بنا دیجئے لیکن خدارا قومی اداروں کو تو تباہ نہ کیجئے۔ حکومتوں کو گرانا اپنی جگہ لیکن جمہوری سیاست میں صبر سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔ برطانیہ میں کئی دہائیوں کے بعد ۱۹۴۵ء میں لیبر پارٹی برسراقتدار آئی اور اب پھر کئی دہائیوں کے بعد یہ پارٹی دوبارہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرتی نظر آتی ہے۔ حکومت میں تبدیلی رائے عامہ میں طویل ارتقائی عمل کے بعد رونما ہوتی ہے تاہم پاکستان میں حکومتیں یا تو مارشل لاء کے ذریعے نکال باہر کی جاتی رہی ہیں یا پھر ایسی سازشوں کا شکار ہوتی رہی ہیں جو آٹھویں ترمیم کے تحت حاصل شدہ صدارتی اختیارات کے ذریعے روبہ عمل لائی جاتی رہی ہیں۔

نواز شریف مسلمہ طور پر مسلم لیگ کے سب سے ممتاز رہنما ہیں۔ انہوں نے اس قومی جماعت کی قائد اعظمؒ کے دنوں کی ابتدائی آن بان از سرنو بحال

کرنے کا عزم صمیم کیا ہے۔ اس نیک مقصد کے لئے زبردست ذہنی وسعت سے کام لیا ہو گا جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ قائد اعظمؒ کی زندگی سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ بلاشبہ یہ مسلم لیگیوں کی طرف سے قائد کے نصب العین سے مکمل انحراف ہی تھا جس کی وجہ سے ایسے سیاست دانوں کو نشوونما کا موقع ملا جو وطن عزیز کی شکست وریخت کا موجب بنے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مسلم لیگ نے مسلم قومیت کے اس تصور کو اجاگر کرنا چھوڑ دیا ہے جو قیام پاکستان کی بنیاد بنا؟ جب تک مسلم لیگ معمولی اور چھوٹے چھوٹے مقاصد سے بالا تر نہیں ہوتی اور اپنی روایات کی طرف عود نہیں کرتی۔ یہ قومی سوچ میں پژمردگی کے اس عمل کو نہیں روک سکتی جو اس میں راہ پا چکا ہے۔ اپوزیشن میں رہتے ہوئے اس تنظیم کو اس دلدل سے نکلنے کا بہترین موقع ہے جس میں یہ دھنس چکی ہے۔ اسے نہ صرف قومی سطح پر ہی چیلنج درپیش ہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی۔

یہاں میں میاں صاحب کی توجہ اس نئے رجحان کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں جو قوموں کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا باعث بن سکتا ہے اور یہی رجحان اس کردار کا بھی تعین کرتا ہے جو میاں صاحب کو متوقع طور پر ادا کرنا ہے۔ عصر حاضر بلاشبہ مواصلاتی انقلاب سے عبارت ہے کیونکہ کرۂ ارض کی وسیع حدود سمٹ کر ایک "عالمی گاؤں" کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس معجزے کو جامد صورت سرد جنگ کے خاتمے نے عطا کی ہے۔ اب کسی عالمی جنگ کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا' سوویت یونین نہ صرف یہ کہ قصہ پارینہ بن کر طاق نسیاں کی زینت بن چکا ہے بلکہ روس نے نیٹو ممالک کے ساتھ دوستی بھی کر لی ہے چنانچہ اب عالمی سطح پر نئی بحث کے لئے راہ ہموار ہو چکی ہے یہ بحث تہذیبوں کی ان اقدار کے بارے میں ہے جن کا دارومدار متعلقہ مذاہب پر ہے چند روز بیشتر سی این این سے انصاف کے موضوع پر ایک پروگرام پیش کیا گیا۔ اس پروگرام میں بتایا گیا کہ کس طرح امریکی نظام عدل دوسرے نظاموں سے مختلف اور بہتر ہے چنانچہ اس ضمن میں اسلامی نظام انصاف کا حوالہ بھی دیا گیا۔ اس بحث میں دو نکات پر اتفاق رائے کا اظہار کیا گیا۔ ایک تو یہ کہ آمریت کے تحت ہر قسم کا نظام قابل نفرت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مذہبی آمریت کے تحت مروج نظام بھی ویسا ہی نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس تناظر میں مسلمانوں کے درمیان بنیاد پرستی کے رجحان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ چنانچہ اب ایسی اقدار کے فروغ اور دل و دماغ کی تسخیر کے لئے ایک دوڑ شروع ہو چکی ہے۔ مغربی ممالک کا زیادہ زور انسانی حقوق پر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ انسانی حقوق کا کوئی معیار مقرر کیا جا سکتا ہے؟ ایک سرکاری نوٹ میں کہا گیا ہے کہ آج سے کھلی جگہ میں سزائے موت دینے کے بجائے جیل میں دی جایا کرے گی' جیسے جدید اور مہذب معاشرے میں دی جاتی ہے لیکن قرآن حکیم میں ہے کہ ایسی سزا کے وقت کچھ لوگ ضرور موجود ہونے چاہئیں تاکہ معاشرے کے لئے عبرت کا سامان ہو سکے اور اس طرح جرائم پر قابو پایا جا سکے۔

اسلام اور دیگر ادیان میں فرق یہ ہے کہ اسلام تصوارت کی سطح سے بالا تر ہو کر اپنے قوانین رکھتا ہے جبکہ دیگر مذاہب صرف تصورات تک ہی محدود ہیں اور انہوں نے قانون سازی کا کام لادینی اداروں کے حوالے کر رکھا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ متنوع فیصلے صادر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن ایسے منافقین کی مذمت کرتا ہے جو مروجہ قانون کے تحت معاملات کے فیصلے کرتے ہیں (جیسے ہم آج انگریزی قانون کے تحت کر رہے ہیں) قرآن حکیم میں رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ وہ ایسے منافقین کو مسلمان تسلیم نہ کریں جب تک وہ اسلامی قوانین کے تحت کئے جانے والے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں چنانچہ مسلم معاشروں پر اسلامی قوانین کا نفاذ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ دراصل اسلام کو دوسرے معاشروں سے ممیّز کرنے والی چیز ہی یہ ہے کہ اس کے پاس قرآنی قوانین ہیں جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں۔ جب تک مسلمان ان قوانین کے پابند رہیں گے انہیں بنیاد پرست کہا جاتا رہے گا' حالانکہ یہ رویہ ان لوگوں کے رویئے سے زیادہ سخت نہیں ہے جو انگریزی قانون کے تحت چلنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں قابل غور بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصی تشخص اس انتخابات سے وابستہ ہے کہ وہ کس قانون کے تحت زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک نظریئے کی اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ اب اقوام عالم کے درمیان کشمکش نظریات کی بنیاد پر ہو گی۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس کا تشخص تو پہلے سے ہی اس کے نظریئے کا عطیہ ہے۔ یہی نظریہ ہمارے جذبات کا منبع' ملجا اور ماویٰ ہے۔ چنانچہ اس نظریئے سے انحراف اور لادینی سوشلزم سے ہماری وابستگی ہی قومی تباہی کا باعث بنی۔ مسلم لیگ کا سب سے اہم اور واحد مشن یہ ہے کہ وہ غیر ملکی نظریات کی طرف مائل ہونے کے رجحان کے آگے بند باندھ کر پاکستانی تشخص کو مسخ ہونے سے بچائے۔ اس مشن کی تکمیل سے ہی تحریک پاکستان کے مقاصد پورے ہو سکیں گے اور وطن عزیز ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے گا جو مغربی ممالک کی طرف سے ہمیں درپیش ہیں چنانچہ میاں محمد نواز شریف کو مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اس انقلابی مہم کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھنا چاہئے۔ ان کی ولولہ انگیز قائدانہ صلاحیتیں اس مقصد کے لئے وقف ہونی چاہئیں' انہیں اس چیلنج پر پورا اترنا ہو گا۔

بصورت دیگر صورتحال کیا ہو گی؟ ہو سکتا ہے کہ موجودہ حکومت کے خلاف بداعتمادی کی فضاء پیدا کر لی جائے لیکن اس سے ضروری نہیں کہ حزب اختلاف کے لئے اقتدار میں آنے کی راہ ہموار ہو جائے کیونکہ ہمارے قومی خمیر میں جو بحران پیدا ہو گیا ہے وہ کم تو نہ ہو جائے گا۔ انتشار و افتراق کی یہی فضاء برقرار رہے گی' ملک کو وہ استحکام حاصل نہ ہو سکے گا جس کی اسے اشد ضرورت ہے۔ بلاشبہ فوج بھی میدان میں ہو گی لیکن ہم لوگ جو جمہوریت کے دلدادہ ہیں مارشل لاء سے نفرت کرتے ہیں' ہم اس کے حامی نہیں ہو سکتے۔ مارشل لاء کے ناقابل برداشت ہونے کی اس سے بھی زیادہ ٹھوس وجہ ہے۔ اس سے ایک تو سیاست کے فروغ کا سلسلہ برقرار نہیں رہتا اور پھر مارشل لاء میں ایسی روایات بھی نشوونما نہیں پا سکتیں' جن کی وجہ سے برطانوی نظام آئین کے بغیر بھی کام کر رہا ہو۔ اب پارلیمانی نظام کی جگہ صدارتی نظام لانے کی بھی غیر محتاط انداز میں باتیں ہونے لگی ہیں۔ جو کوئی بھی صدارتی نظام کی حمایت کرتا ہے وہ ماضی کے اس تجربے کو نظر انداز کر دیتا ہے جس نے وحدانی نظام کو ناکام قرار دے دیا تھا کیونکہ یہ صوبائی تعصبات کو ہوا دیتا ہے اور قومی تاروپود خطرے میں پڑ جاتا ہے اگر دیکھا جائے تو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کافی حد تک ایوب کے مرکز میں مرتکز نظام کی وجہ سے تھی۔

جہاں تک موجودہ نظام کا تعلق ہے یہ بہترین طور پر قابل عمل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہم کھیل اس کے اصولوں کے مطابق کھیلیں۔ اصل میں خرابی نظام میں نہیں اس کے چلانے والوں میں ہے' خرابی ہماری تقدیر میں نہیں خود ہمارے اندر ہے کہ ہم زیر دست ہیں تاہم میں ایک چیز کی پیشنگوئی کرتا ہوں اگر موجودہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بھارتی جریدے ''انڈیا ٹوڈے'' میں پاکستانی سفیر کا ایک

معرکتہ الآرا انٹرویو جو انٹرویو سے زیادہ ایک مناظرہ ہے!

ہم کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ نہیں مانتے : ریاض کھوکھر

بھارت تنازع کو خود یو این میں لے کر کیا تھا' اب اس سے کیوں شرماتا ہے؟

سردار اعوان

س:- بھارت اور پاکستان کے موجودہ تعلقات کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

ج:- بھارت' پاکستان تعلقات بد سے بدتر ہو رہے ہیں اور اس صورت حال کا تدارک ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں سیاستدان' سفارت کار اور ان سے بھی آگے خود عوام اس ابتری کو روک سکتے ہیں۔

س:- آپ اٹھارہ ماہ سے یہاں مقیم ہیں' آپ نے کیا تدارک کیا؟

ج:- سفیر کا کام اپنی حکومت کے احکامات بجا لانا ہوتا ہے۔

س:- کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی حکومت کی پالیسی سے اختلاف ہے؟

ج:- نہیں! جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں اور حکومت کی پالیسی میں کوئی تضاد نہیں۔ ہم بھارت کے ساتھ پر خلوص اور بامعنی گفتگو چاہتے ہیں۔ کشمیر میں جاری صورت حال اصل تناؤ کا سبب ہے۔

س:- بھارتی حکومت کے مطابق کشمیر کے مسئلے کے لئے پاکستان زیادہ ذمہ دار ہے؟

ج:- بھارت جو چاہے نقطہ نظر اپنائے لیکن اصل صورت یہ ہے کہ بھارت کشمیری عوام کے خلاف باقاعدہ جنگ کر رہا ہے۔ اور پھر یہ شروع سے ایک تنازعہ چلا آرہا ہے' جسے حل کرنے سے بھارت ہمیشہ کنی کتراتا ہے۔

س:- پاکستان شملہ معاہدہ ہوتے ہوئے حق خود اختیاری کا راگ کیوں الاپتا ہے؟

ج:- شملہ معاہدہ سے یہ حق ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ بھارت اور پاکستان اس مسئلے پر بات چیت کریں۔ یہ معاہدہ ان دونوں کے نقطہ نظر کو اپنی جگہ تسلیم کرتا ہے۔

س:- تو پھر پاکستان بات کرنے پر کیوں راضی نہیں؟

ج:- پاکستان کی حکومت کی طرف سے کبھی بھی کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ ہم بات نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن بات چیت کے لئے صرف بیٹھ جانے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس وقت ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ آپ نے کشمیری راہنماؤں کو کس پاداش میں جیلوں میں ڈال رکھا ہے؟

س:- کیا یہ ایک ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت شمار نہیں ہوتی؟

ج:- یہی تو مسئلہ ہے۔ ہم کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ نہیں مانتے۔ یہ ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ جی ہاں! پنجاب بھارت کا حصہ ہے' مگر کشمیر نہیں۔ اب تک نہیں۔

س:- پاکستان ہمیشہ ادھر ادھر مختلف بین الاقوامی اجتماعات کی طرف حل کے لئے کیوں بھاگتا ہے؟

ج:- یہ کوئی غیر نہیں ہیں۔ دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اگر بھارت مسئلے کے حل میں سنجیدہ نہ ہو تو پھر ہم کس کے پاس جائیں؟ کسی غیر جانبدار اور واقعتاً موجود ادارے سے کیوں مدد نہ لیں؟

س:- اس لئے کہ جھگڑا بھارت اور پاکستان کے مابین ہے؟

ج:- بھارت خود اس جھگڑے کو اقوام متحدہ میں لے کر گیا تھا' اب اسے کیا ہو گیا ہے؟

س:- آپ نے کہا ہے کہ اگر بات چیت میں خلل واقع نہ ہو تو کونی پاگل ہوا ہے جو دوسرا کوئی انتخاب کرے گا؟

ج:- بالکل!

س:- تو آپ اپنے صدر' فاروق لغاری کے دورۂ امریکہ کو کیا کہیں گے' جہاں وہ بڑی سرگرمی سے پاکستان کے موقف کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے؟

ج:- میں نے پاگل پن اور دوسرے انتخاب کی بات ان معنوں میں کی ہے کہ بھارت میں کچھ لوگ ہیں جو فی الواقع جنگ کا سوچتے ہیں۔ ان کے حوالے سے میں کہہ رہا تھا کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کا سوچا بھی نہیں جانا چاہئے۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے ہم اپنے دوستوں سے توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ مسئلے کے حل میں مدد دیں۔ ہمارا خیال ہے وہ آپ کے بھی دوست ہیں۔ بھارت کا دعویٰ یہی ہے۔

س:- مگر مشترک دوست تو شملہ معاہدہ پر اڑا ہوا ہے؟

ج:- میرے خیال میں آپ غلط مطلب لے رہے ہیں۔ شملہ معاہدہ سے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی نفی نہیں ہوتی۔

س:- رابن رافیل نے تو اس سے بالکل انکار کر دیا تھا کہ انہوں نے کبھی باہمی مصالحت کے خلاف بات کی ہے؟

ج:- بھارت نے رافیل کے خلاف واویلا کر کے اس کا چورہ ہی کر دیا۔

س:- آپ کا مطلب ہے' حکومت اس میں

کامیاب رہی؟

ج :- میں نہیں کہتا کامیاب رہی۔ جہاں تک میرے علم میں ہے' واشنگٹن میں ہمیں دوبارہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ امریکی پالیسی میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ہم خود شملہ معاہدہ کے خلاف نہیں ہیں۔ ہم بات کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ کوئی نتیجہ برآمد ہونے کی توقع ہو۔ بھارت "دو طرفیت" کے اصول کو یہاں غلط معنوں میں اور غلط مقصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

س :- تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ بھی صرف بین الاقوامی مداخلت سے حل ہو گا؟

ج :- حقیقت یہ ہے کہ آپ پہلے ہی اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں پیش کر چکے ہیں اور یہ اقوام متحدہ کے ایجنڈا پر موجود ہے۔

س :- کیا وجہ ہے کہ بھارت اور پاکستان' دونوں کو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مزہ آتا ہے۔

ج :- اس میں اہم بات یہ ہے کہ پہل بھارت کرتا ہے۔ یہ ایک بڑا ملک ہے۔ اس کی جسامت' صنعت اور ملٹری مشینیں وغیرہ۔ لیکن بڑا ہونا اور ہے' عظیم ہونا اور۔ اسے صلح جوئی کیوں نہیں آتی؟

س :- لیکن ایسے ہمسایہ کا کیا علاج جو دشمنی پر اتر آیا ہو؟

ج :- کشمیر میں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہو تو کیا ہمیں خاموشی سے دیکھتے رہنا چاہئے؟ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں' ہمارا صرف آپ کے ساتھ ایک جھگڑا ہے' یہ ختم ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کس طرح سارا رویہ بدل جاتا ہے۔

س :- آپ جنگجوؤں کو نیک سمجھتے ہیں؟

ج :- وہ جنگجو نہیں' مجاہدین ہیں۔

س :- لیکن وہ بے گناہوں کو قتل کر رہے ہیں؟

ج :- یہ مجاہدین اور حفاظتی دستوں کے درمیان لڑائی ہے۔

س :- جنہیں آپ مجاہدین کہہ رہے ہیں لوگ اب ان کے جرائم کی وجہ سے ان کے خلاف ہو رہے ہیں۔

ج :- میں کبھی وہاں نہیں گیا' اس لئے اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ہمارا مشاہدہ قطعی طور پر مختلف ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ڈس انفارمیشن کا حصہ ہے جو بڑی مہارت کے ساتھ پھیلائی جا رہی ہے۔

س :- اور اس حمایت کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو ان نام نہاد مجاہدین کو پاکستان سے حاصل ہے؟

ج :- اس معاملے میں ہماری پوزیشن بالکل صاف ہے۔ ہم اخلاقی' سیاسی اور سفارتی حمایت سے زیادہ کچھ نہیں دیتے۔

س :- جس گروپ نے برطانوی باشندوں کو اغوا کیا ہے' وہ پاکستان سے اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے۔

ج :- گروپ جو چاہے کہہ سکتا ہے' مگر ہمارا کسی گروپ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

س :- گرفتار ہونے والے جنگجوؤں نے پاکستان میں تربیت حاصل کرنے اور ہتھیار لے کر سرحد پار کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ اگر پاکستان سے ہتھیار نہیں آ رہے تو آپ کے خیال میں کہاں سے آ رہے ہیں؟

ج :- اس خطے میں ہتھیاروں کا سیلاب آیا ہوا ہے۔

س :- کشمیر میں سرحدی جھڑپوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جن میں ہتھیار لے کر آنے والے افراد کو بی۔ایس۔ایف یا فوج نے گولی سے اڑا دیا؟

ج :- مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں وہاں کبھی رہا نہیں' لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ وہاں خاصی فائرنگ ہوتی رہتی ہے۔ اگر آپ کسی شخص کے پیچھے اس طرح پڑ جائیں جس طرح بلی چوہے کے پیچھے بھاگتی ہے تو وہ کہیں تو بھاگ کر جائے گا۔

س :- کشمیریوں کو احساس ہو چلا ہے کہ پاکستان ان کی مدد کرنے کی بجائے اپنا مطلب نکال رہا ہے۔

ج :- ہمیں تو انہوں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔

س :- قاضی نثار کے قتل پر اننت ناگ میں ایک لاکھ افراد سڑکوں پر پاکستان کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔

ج :- ہمیں معلوم ہے یہ گندی حرکت خفیہ محکمہ کی کارستانی ہے۔

س :- آپ کا مطلب ہے قاضی نثار کا قتل محکمہ کی گندی حرکت ہے؟

ج :- یقیناً! وہ ایک مذہبی رہنما اور انتہائی معزز شخص تھا۔ اسے قتل کرنے سے کسی کو کیا حاصل ہوتا۔

س :- مختلف گروہوں کی آپس میں رقابت بھی تو ہے۔

ج :- ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اسے کسی گروپ نے قتل نہیں کیا۔ اسے نشانہ باز سکواڈ نے قتل کیا ہے۔

س :- آپ کا مطلب ہے بھارتی حکومت اس کی ذمہ دار ہے؟

ج :- میں نے بتایا نا کہ نشانہ باز سکواڈ نے اسے قتل کیا۔ اس کا فائدہ کسے حاصل ہو گا؟ مجاہدین کے گروپوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔

س :- آپ کو یقین ہے؟

ج :- مجھے بالکل یقین ہے۔

س :- برطانوی باشندوں کے اغوا کا آپ کو معلوم نہ ہو سکا؟

ج :- نہیں' میں نے سنا ہے کہ ایک حرکت الانصار نام کا گروہ اس کا ذمہ دار ہے۔ مگر کسی ایک خاص گروہ کے بارے میں ساری تفصیلات ہم نہیں رکھ سکتے۔

س :- بھارت کی طرف سے جب بھی کوئی پیش رفت ہوتی ہے' حال ہی میں پرتھوی کی مثال لیجئے۔ پاکستان پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کے صدر تک نے کہہ دیا کہ اس سے یوکرین' وسطی ایشیا اور خلیج کا علاقہ خطرہ میں ہے۔ حالانکہ اس کی مار صرف اڑھائی سو کلومیٹر ہے۔

ج :- ہرگز نہیں! میرے پاس ان کا اصل بیان موجود ہے۔ پرتھوی کا نشانہ صرف پاکستان ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسے چین کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ چین کے لئے اگنی ہے۔ اگنی کا نشانہ ایران سعودی عرب اور قازقستان ہیں۔ ہمیں اگنی سے ڈر نہیں لیکن پرتھوی صرف پاکستان کے لئے ہے۔

س :- آپ اپنے میزائل پروگرام کو کیوں بھول جاتے ہیں؟

ج :- اس کے ساتھ ہمارے میزائل پروگرام کی تو کوئی مناسبت ہی نہیں۔ آپ سالہا سال سے یہ کھیل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس قسم کے ہتھیاروں سے کوئی بھی ملک اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کر سکتا ہے۔ آخر آپ کس کے خلاف یہ تیار کر رہے ہیں۔ چین کے ساتھ اب آپ کی دوستی ہے۔ پھر آپ کو اس کی کیوں ضرورت پڑ گئی؟ اگنی کیوں تیار کر رہے ہیں؟ چین کو تو' میں آپ کو بتادوں' بھارت کی کوئی پرواہ نہیں۔

س :- دورہ میں گن شپ کا استعمال بھارتی فوج کا مسئلہ ہے۔ آپ کے فارن آفس کی طرف سے اس کے خلاف خبردار کرنا چہ معنی دارد؟

ج :- یہ متنازعہ علاقہ ہے۔ آپ عالمی برادری کے سامنے اس بارے میں جواب دہ ہیں۔ آپ کو اس طرح قتل عام کی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ آپ آگ کو

ٹھنڈا کرنے کی بجائے ہر جگہ اسے زیادہ بھڑکانے کے چکر میں کیوں رہتے ہیں؟

س :- آپ یہی بات نام نہاد مجاہدین سے کیوں نہیں کہتے؟

ج :- مجاہدین کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کوئی بھی ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ ہم ان کی صرف اخلاقی اور سیاسی حمایت جاری رکھیں گے جیساکہ جنیوا میں ہم نے ان کے لئے کوشش کی۔

س :- آپ کی اس حمایت سے انہیں ایک بے گناہ آدمی کو قتل کرنے کی شہ نہیں ملتی؟

ج :- نہیں' کوئی شہ نہیں ملتی۔ یہ محض پروپیگنڈہ ہے۔ وہ بھلا کسی بے گناہ کو کیوں قتل کریں گے۔ ایک ایسے شخص کو جو پوری زندگی عبادت گزار رہا ہو؟ مجھے تو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ ہاں یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ دوسری طرف سے ایسے لوگوں کو کیوں قتل کیا جاتا ہے۔ OO

شملہ معاہدے کے تھیلے میں کوئی بلی بند نہیں

متن کا ترجمہ

شملہ معاہدہ (۱۹۷۲ء)

حکومت پاکستان اور حکومت بھارت پر عزم ہیں کہ دونوں ممالک وہ اختلاف اور محاذ آرائی ختم کریں' جس نے آج تک ان کے تعلقات خراب کئے رکھے۔ دونوں ممالک دوستانہ اور ہمدردانہ تعلقات کو آگے بڑھانے اور اس خطے میں ایک دیرپا امن کے قیام کے لئے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ دونوں ممالک اپنے وسائل اور توانائی اپنے عوام کی بھلائی کے لئے کام میں لاسکیں جس کی دونوں کو اشد ضرورت ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت پاکستان اور حکومت بھارت درج ذیل امور پر متفق ہیں۔

۱) کہ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کے لئے یہ کاوش اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصولوں اور نصب العین کے تابع ہوگی۔

۲) کہ دونوں ممالک اپنے اختلافات دو طرفہ گفت و شنید یا دوسرے کسی پر امن طریقے سے' جس پر دونوں آپس میں متفق ہوں' طے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان جو مسائل ہیں ان میں سے کسی کے آخری حل تک کوئی فریق یک طرفہ طور پر صورت حال میں تبدیلی نہیں لائے گا اور دونوں پر امن اور خوشگوار تعلقات کے قیام میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لئے انجمن سازی و معاونت یا افعال کی سرپرستی سے گریز کریں گے۔

۳) کہ دونوں ممالک برابری اور باہمی منفعت کی بنیاد پر مصالحت' اچھی ہمسائیگی اور آپس کے دیرپا امن کی خاطر ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت اور حاکمیت کا احترام کریں گے اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

۴) کہ بنیادی مسائل اور اختلاف کے وہ اسباب پر امن طریقے سے دور کئے جائیں گے جو گزشتہ ۲۵ سال سے دونوں ممالک کے باہمی تعلقات میں بگاڑ کا باعث ہیں۔

۵) کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی قومی یک جہتی' علاقائی سالمیت' سیاسی آزادی اور برابر کی حاکمیت کا احترام کریں گے۔

۶) کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر کو ملحوظ رکھیں گے اور دھمکی دینے یا ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی کے خلاف طاقت کے استعمال سے اپنے آپ کو باز رکھیں گے۔

دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈہ کو روکنے کے لئے بھرپور اقدام کریں گی۔ دونوں ممالک ایسی خبریں عام کرنے کی حوصلہ افزائی کریں گی جو آپس کے دوستانہ تعلقات کی نشوونما کا باعث ہوں۔

دونوں ممالک کے درمیان رفتہ رفتہ تعلقات بحال کرنے اور انہیں قدم بہ قدم معمول پر لانے کے لئے اتفاق کیا گیا کہ:

۱) ابلاغ' ڈاک و تار بذریعہ سمندر اور خشکی' جس میں سرحدی چوکیاں شامل ہوں گی اور ہوائی رابطہ' جس میں ایک دوسرے کے فضائی علاقے میں پروازیں شامل ہیں' بحال کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔

۲) دوسرے ملک کے شہریوں کی سفری سہولیات بڑھانے کے لئے مناسب توجہ دی جائے گی۔

۳) جہاں تک ممکن [illegible] ت اور اقتصادی اور دوسرے شعبے جن پر دنوں راضی ہوں' بحال کئے جائیں گے۔

۴) سائنس اور ثقافت کے میدان میں معلومات کے تبادلے کو فروغ دیا جائے گا۔

اس ضمن میں ضروری تفصیلات تیار کرنے کے لئے دونوں ممالک وقتاً فوقتاً آپس میں ملاقاتیں کرتے رہیں گے۔

دیرپا امن کے قیام کا عمل شروع کرنے کے لئے دونوں حکومتوں نے اتفاق کیا ہے کہ:

۱) پاکستانی اور بھارتی افواج اپنی اپنی جانب کی بین الاقوامی سرحدوں پر واپس بلالی جائیں گی۔

۲) جموں و کشمیر میں دونوں فریق دسمبر۱۷' ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی سے پیدا ہونے والی کنٹرول لائن کا احترام کریں گے لیکن اس سے دونوں کا اپنا اپنا دعویٰ متاثر نہیں ہوگا۔ باہمی اختلافات اور ان کی قانونی تشریحات سے قطع نظر کوئی بھی اس میں یک طرفہ تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مزید برآں دونوں فریق اس لائن کی خلاف ورزی میں دھمکی نہ دینے یا طاقت استعمال نہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔

۳) فوجوں کی واپسی اس معاہدہ کے نفاذ پر شروع ہوگی اور تیس روز کے اندر مکمل کی جائے گی۔

دونوں ممالک اپنے دستور کے مطابق اس معاہدہ کی توثیق کریں گے اور توثیق کی دستاویزات کے تبادلے کی تاریخ سے یہ معاہدہ نافذ العمل ہوگا۔

دونوں حکومتیں اس پر متفق ہیں کہ ان کے سربراہ آئندہ آپس میں سہولت سے دوبارہ کسی وقت ملاقات کریں گے۔ اس دوران دونوں طرف کے نمائندے آپس میں ملاقات کریں گے تاکہ دیرپا امن کے قیام اور تعلقات معمول پر لانے کے طریقوں اور انتظامات پر گفتگو ہو۔ ان مذاکرات میں جنگی قیدیوں اور شہری نظربندوں کی واپسی' جموں و کشمیر کے مسئلے کے آخری تصفیہ اور سفارتی تعلقات کی بحالی کے سوالات شامل ہوں گے۔

اندرا گاندھی	—	ذوالفقار علی بھٹو
وزیر اعظم	—	صدر
جمہوریہ بھارت	—	اسلامی جمہوریہ پاکستان

شملہ' ۲ جولائی ۱۹۷۲ء

یہ حد سے بڑھ کر دوا نہیں بنے گا

اس درد کا درماں کون کرے؟

اے لکھنے والو' یہ مرثیہ نگاری تابکے!

نجیب صدیقی

ہمارا ملک لوٹ کا مال بن گیا ہے۔ بڑے سے چھوٹے تک سبھی اس لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہیں۔ جس کے ہاتھ جتنے لمبے ہیں وہ اتنا ہی زیادہ جمع کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اپنوں کے ساتھ غیر بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی ادارہ (آئی ایم ایف) ہو یا دوسرے مالی ادارے سبھی اپنی من مانی شرائط منوا رہے ہیں۔ دوسری طرف مہنگائی ہے جس نے ترقی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں' اس پر ٹیکسوں کا عفریت منہ پھاڑے جو چلا آرہا ہے وہ اس پر مستزاد۔

امن و امان کی صورت یہ ہے کہ صرف کراچی شہر میں روزانہ نصف درجن سے زیادہ گاڑیاں چوری ہوتی ہیں۔ ڈیڑھ درجن سے زیادہ ڈکیتیاں ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ لاتعداد چوریاں اس پر جھونگے میں۔ یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو پولیس ریکارڈ سے حاصل شدہ ہوتی ہیں ورنہ وارداتیں تو اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔ مظلوم تھانے کا رخ اس لئے نہیں کرتا کہ وہ ایک نئی پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا۔ کئی عام لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں اور مقتول کے ورثاء سوئم اور قرآن خوانی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ احتجاج کی کوئی بھی صورت ہو' نہ حکومت کے کان پر جوں رینگتی ہے نہ قوم ہی دلچسپی لیتی ہے کیونکہ یہ روزانہ کا معمول بن گیا ہے اور لوگ جس طرح موسم کی خبریں پڑھتے ہیں ویسے ہی قتل کی خبریں پڑھی جاتی ہیں۔ کسی کے چہرے پر کوئی ارتعاش بھی پیدا نہیں ہوتا' سوائے اس خاندان کے جس کا فرد قتل کیا گیا ہے۔ اسی طرح معاشرہ بے حس ہوتا جا رہا ہے اور حکومت "سب اچھا ہے" کا سا انداز اختیار کئے ہوئے ہے۔ اخبارات میں ملکی حالات پر مرثیہ لکھنے والے اب بے شمار ہو گئے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جن کا مفاد کسی نہ کسی طرح حکومت سے وابستہ ہے۔ آزاد لکھنے والے اتنا لکھ چکے ہیں کہ اب ان کے پاس کوئی نیا موضوع نہیں رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ منافقت اور تضادات ایڈز کے جراثیم کی طرح پھیل چکے ہیں' تو کوئی لکھتا ہے کہ:

"جب محافظ خود ہی ڈاکہ ڈالنے لگیں۔ جب رہبر اور رہزن کی پہچان مشکل ہو جائے جب غیر جمہوری اذہان جمہوریت کے نمائندے بن جائیں' جب امارت سے غریب اپنا حق مانگنے کے بجائے بھیک مانگنے لگے' جب بھیڑیئے سے بکری انصاف کی طالب ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے میں محض کسی کی آواز بلند کرنے یا نشاندہی کرنے سے کوئی تبدیلی نہیں آسکتی"۔

ملک سے دلچسپی رکھنے والے سنجیدہ لوگ مایوسی کا شکار ہیں۔ مایوسی کے اسباب بھی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب وہ دوہرا معیار ہے جسے حکومت نے اختیار کر رکھا ہے۔ ایک طرف حکومت کا یہ اعلان کہ سب کے ساتھ انصاف کیا جائے گا' دوسری طرف انصاف کا معیار نمایاں ہو کر اس طرح سامنے آتا ہے کہ قتل کوئی کرتا ہے اور ایف۔ آئی آر کسی اور کے خلاف درج کی جاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے پولیس کے ظلم کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ لوگ صرف اخبار ہی پر اکتفا نہیں کرتے حالات سے باخبر ہونے کے اور بھی ذرائع ہیں لہٰذا جب کھلا تضاد سامنے آتا ہے تو ذہن یا تو بغاوت کو جنم دے گا یا مایوسی کو۔

ایک چھوٹی سی خبر ۷ جولائی کے جنگ میں شائع ہوئی ہے کہ پابندی کے باوجود پیپلزپارٹی کے کارکنوں میں ۲۵۰ پلاٹ رہائشی اور صنعتی تقسیم کئے گئے یا الاٹ کئے گئے ہیں۔ یہ خبر اپنے پیچھے کتنے زہریلے اثرات چھوڑ جائے گی۔ حکومت کے دعوؤں کا پول تو روز کھلتا رہتا ہے۔ لوگوں کا اب اس پر اتفاق ہے کہ ایک جھوٹ کا سیلاب ہے جس کا ریلا ہم سب پر سے گذر رہا ہے۔ دوسری طرف اپوزیشن ہے جس کے بڑے سے چھوٹے تک سبھی داغدار ہیں۔ ان کی بدکرداری پر بھی اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ عوام تو اس مقام تک آگئے ہیں کہ جہاں ایک طرف کنواں اور دوسری طرف کھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مایوسی کے گہرے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

ہمارے تجزیہ نگار اور دانشور اب تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حالات کے بگاڑنے میں وڈیرے' جاگیردار' سرمایہ دار اور مضبوط بیوروکریسی ہے۔ اور وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بظاہر ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ فکر کا یہ انداز بھی مایوسی پیدا کرتا ہے۔ اور انسان جو ہوتا دیکھ رہا ہے' اس میں اپنے کو مطمئن ہونے کے راستے تلاش کرتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قوم کو اس گھمبے سے نکالنے کے لئے فوج کی مسیحائی ضروری ہے۔ ایسے گلے سڑے معاشرے میں فوج بھی آکر رسوا ہوگی۔ پہلے بھی اس کے حصے میں رسوائی کم نہیں آئی ہے۔ معاشرے کا اگر کوئی ایک طبقہ بگڑ جائے تو اس کی اصلاح کے لئے کوئی بہت بڑی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ مگر معاشرے کے چھوٹے بڑے سبھی خراب ہو جائیں تو یقیناً سنجیدگی سے ہمیں سوچنا پڑے گا۔ ایسے معاشرے کو کسی جزوی اصلاح سے درست نہیں کیا جاسکتا۔ نہ جبر کی تلوار ہی سے کوئی پائیدار تبدیلی آسکتی ہے۔

اس معاشرے کو تبدیل کرنے کے لئے ہمیں وہی طریقہ کار اپنانا ہوگا جو دور اول میں اپنایا گیا تھا۔ وہ

معاون فارم

حلقہ شمالی پنجاب کی ایک جماعت پچھلے ماہ ضلع کوہستان کے دعوتی و تبلیغی دورے پر گئی۔ اس پندرہ روزہ دورے کے نتیجے میں کل ۲۲۷ افراد نے تحریک خلافت کی معاونت اختیار کی۔ یہ فارم مرکزی دفتر کو روانہ کردیئے گئے ہیں تاکہ ضروری کارروائی مکمل کی جاسکے۔ ○○

معاشرہ بھی اپنی انحطاط کو پہنچ چکا تھا۔ اس معاشرے کو اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے پیغام آخریں کے ذریعہ زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا۔ اگر ہم ذرا دقت نظر سے جائزہ لیں تو ہم بھی یہ بات تسلیم کریں گے کہ اللہ کی اس ہدایت جو قرآن مجید کے نام سے موجود ہے' اس سے ترک تعلق کرنے کے بعد ہم زوال کے اس انجام تک پہنچے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے درد کا کوئی درماں نہیں۔ اسی کتاب نے اس معاشرے کو بلندی تک پہنچایا تھا اور آج بھی ہم تمسک بالقرآن کے ساتھ اپنے زوال کو عروج سے بدل سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے توبہ' تجدید ایمان اور تجدید عہد کرنا ہوگی' اس کتاب کے اوامر ونواہی کو اختیار کرنا ہوگا۔ جس طرح معاشرے کا زوال آہستہ آہستہ ہوا ہے یک بارگی نہیں ہوا ہے اسی طرح اس کی اصلاح بھی اپنی فطری رفتار سے ہوگی۔ ایمان کی بھرپور دعوت معاشرے میں اٹھانی ہوگی' اس سے پہلے اپنے آپ کو بدلنا ہوگا' اس کے اوامر ونواہی کو اپنے اوپر قائم کرنا ہوگا' چراغ سے چراغ جلے گا اور جو لوگ اس دعوت کے گرد جمع ہوں گے انہیں ایک مقصد کی لڑی میں پرونے کے لئے ایک ایسی تنظیم کو وجود میں لانا ہوگا جو زمین پر اعلائے کلمتہ اللہ کی داعی ہو۔ اگر ملک میں ایسی کوئی تنظیم موجود ہے تو اسے مضبوط کرنا ہوگا۔ یہ تنظیم جس کی دعوت خالص اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے ہوگی اس سے جڑے بغیر' اس میں اپنا وزن ڈالے بغیر یہ منزل سر نہ ہوگی۔

یاد رکھئے! الیکشن سے نظام نہیں بدلتا' چلانے والے ہاتھ بدلتے ہیں۔ نظام کو بدلنے کے لئے پرانے نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔ یہ کام ایک انقلابی پارٹی ہی کر سکتی ہے' جس کے افراد اس مقصد کے لئے تن من دھن نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔ اس کے بغیر ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ قومی حکومت بھی ہمارے مسئلہ کا حل نہیں اور نہ الیکشن ہی کوئی بنیادی تبدیلی لا سکتا ہے۔ ہمارے دانش وروں اور کالم نگاروں کو اس پر سوچنا چاہئے اور اپنے قلم کی صلاحیت اس مقصد کے حصول میں صرف کرنی چاہئے۔ محض مرثیہ لکھنے سے نہ پہلے انقلاب آیا ہے نہ اب آئے گا

مشرق میں عورت کو وہ مجبوریاں لاحق نہیں جو مغرب میں ہیں

بچے سب ہی اچھے

حافظ محمد اقبال

خاندانی منصوبہ بندی عالمی استحصالی نظام کا حصہ ہے

روزنامہ جنگ میں ۱۱ جولائی ۱۹۹۴ء کو ڈاکٹر سید وجاہت حسین کا مضمون بعنوان "خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام" شائع ہوا' جس میں مختلف اعداد و شمار کے ذریعے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کی اصل وجہ ان کی آبادی میں اضافہ ہے۔ حالانکہ یہ اصل حقائق کو نظر انداز کر دینے والی بات ہے کیونکہ مسلمانوں کی پستی کی اصل وجہ آبادی میں اضافہ نہیں بلکہ پوری دنیا پر چھایا ہوا سود پر مبنی استحصالی معاشی نظام ہے' جس کے ذریعے ترقی پذیر اسلامی ممالک کے عوام کی خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ سود کی شکل میں مغربی ممالک کے بینکوں میں پہنچ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں ترقی پذیر ممالک میں احتیاج اور مہنگائی پیدا ہوتی ہے۔ اسلامی ممالک کے اندر زمین کے سود یعنی غیر حاضر زمینداری' جاگیرداری اور نقدی کے سود یعنی سرمایہ داری کے ذریعے ان ممالک کے بیشتر وسائل پر چند خاندانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ ان گنے چنے خاندانوں کے پاس دولت کی کوئی انتہا نہیں ہے جبکہ باقی عوام ناداری اور کسمپری کی زندگی گزار رہے ہیں بقول علامہ اقبال "سود ہے ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات"۔

جہاں تک آبادی اور پیداواری وسائل کے تقابلی اعداد و شمار کا تعلق ہے تو اس پر انسانی تاریخ شاہد ہے کہ جتنی آبادی بڑھتی ہے اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے اتنے ہی وسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ آج سے پانچ سو سال پہلے دنیا کی آبادی آج سے بیس گنا کم تھی۔ آجکل کے بہبود آبادی کے دانشور اگر اس وقت اس بیس گنا اضافے کے متعلق سوچتے تو شاید بے ہوش ہو کر گر پڑتے کہ اتنی آبادی کھائے گی کہاں سے!!۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پانچ سو سال پہلے کی نسبت انسان کا معیار زندگی بھی بحیثیت مجموعی پہلے سے بہتر ہے اور بھوک اور افلاس بھی کم ہے۔ آج سے ۲۷ سال بعد یعنی ۲۰۲۱ء میں جب دنیا کی آبادی آج سے دوگنی ہو جائے گی تو وسائل آج کی نسبت تین گنا ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس وقت انسان کا معیار زندگی آج کی نسبت بہت بہتر ہو جائے گا کیونکہ اس وقت تک سود پر مبنی عالمی استحصالی نظام ختم ہو چکا ہوگا۔ جس کی وجہ سے محنت کاروں کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ اور اجر ملے گا اور اسی طرح مصنوعی پسماندگی ختم ہو جائے گی۔ مزید برآں اسلامی ممالک اور دوسرے ترقی پذیر ممالک میں جاگیرداری نظام کی وجہ سے جو پچاس فیصد سے زائد قابل کاشت اراضی کاشت نہیں ہو رہی' جاگیرداری کے خاتمے سے وہ زمین بھی زیر کاشت آ جائے گی۔ آجکل دنیا کی کل آمدن کے ۷۴ فی صد حصہ یورپ اور امریکہ کی ۲۴ فیصد آبادی حاصل کر رہی ہے جبکہ باقی ماندہ تمام دنیا صرف ۲۴ فی صد آمدن پر گزارہ کر رہی ہے۔

یہ تو وہ وسائل ہیں جو ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے وسائل اور سائنسی ایجادات مستقبل کے پردہ غیب میں پوشیدہ ہیں' جن کے سامنے آنے سے موجودہ وسائل میں دس گناہ اضافہ ہو جائے گا' مثلاً سال میں دو فصلوں کی بجائے چھ یا آٹھ فصلوں کا پیدا ہونا۔ (اس پر زرعی تجربہ گاہوں میں کام ہو رہا) اور سمندر سے خوراک حاصل کرنے کے آسان ذرائع کا ایجاد ہونا وغیرہ۔ کیونکہ رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمے ہے اور اس کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اپنی

اولادوں کو افلاس کے ڈر سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں بھی رزق دینے والے ہیں اور تمہیں بھی۔"
پس اصل بات اللہ اور اس کی کتاب پر یقین کرنے کی ہے۔ اگر تو یقین اللہ کی ذات اور اس کے عطا کردہ نظام زندگی پر ہوگا تو مسلمان کبھی بھی وسائل کی کمی سے خوف زدہ نہیں ہوگا بلکہ اصل خوف اس جنگ سے ہوگا جو اسلامی ممالک سمیت تمام دنیا نے سود کی شکل میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جاری کر رکھی ہے ارشاد ربانی ہے کہ "اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔" (البقرہ) لیکن اگر یقین اللہ اور اس کے رسول کی بات سے زیادہ مال تھیس (یہ خاندانی منصوبہ بندی کے مشہور مغربی دانشور ہیں، جو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے زیادہ خائف ہیں) کی بات پر ہوگا تو پھر اللہ کی نافرمانی کی بجائے بڑھتی ہوئی آبادی سے زیادہ خوف لاحق ہوگا۔ جس دن سے مسلمانوں نے اپنے حال اور مستقبل کو قرآن مجید کی آنکھ سے دیکھنا چھوڑ دیا اور مغرب کے دانشوروں کی آنکھ سے دیکھنا شروع کیا اسی دن سے یہ ذلت اور رسوائی سے دو چار ہیں۔

مغربی دانشوروں کو بھی یہ بات خوب معلوم ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی پسماندگی کی اصل وجہ عالمی استحصالی نظام ہے لیکن وہ اس استحصالی نظام کے خاتمے کے تصور سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمارے ذہن میں ہماری پسماندگی کی ایسی ایسی توجیہات ڈالتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی پسماندگی کبھی ختم نہ ہو۔ انہی توجیہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی پسماندگی کی اصل وجہ ان کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے اور یورپ کی ترقی کا راز اس کی خاندانی منصوبہ بندی ہے۔ اور یہ مشورہ وہ ہماری خیر خواہی کے لئے اور ہمارے مستقبل کو روشن کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہمارے روشن مستقبل کو تاریک کرنے کے لئے دیتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو پرامن مقاصد کے لئے ایٹمی توانائی مہیا کرنے کے سخت مخالف ہوں وہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے ترقی کا قیمتی راز نہ صرف ہمیں مہیا کردیں بلکہ بالجبر ہمیں اس پر عمل کرنے کے لئے بھی مجبور کردیں۔ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی کے اس شور شرابے کی تہہ میں جو اصل عامل کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کسی قسم کی قوت نہ آنے پائے۔ چنانچہ مغرب نے ہر قسم کی سائنسی ترقی کے راستے مسلمانوں پر بند رکھے ہیں۔ لیکن ایک قوت ایسی ہے جس میں اسلامی دنیا دوسری اقوام سے زیادہ پیش قدمی کر رہی ہے اور وہ ہے ہماری افرادی قوت! مغربی سرمایہ دار مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی قوت سے بری طرح خوف زدہ ہے اور یہ خوف اسے مجبور کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو ہر قیمت پر روکا جائے۔ اس مقصد کے لئے مغربی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے علاوہ معاشی اور سیاسی جبر جیسے ہتھکنڈوں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ خواہ امریکی امداد ہو، خواہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے قرضہ جات ہوں سب کے ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کی شرط لازمی شامل ہوتی ہے۔ انہیں خطرہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی ہمارے استحصالی نظام کا تختہ الٹ دے گی۔

لیکن یورپ کے اس استحصال سے نکلنے کے لئے مسلمانوں کو ہمت مردانہ اور جراءت رندانہ کے ساتھ سود پر مبنی اس استحصالی نظام کے ساتھ ٹکرانا ہوگا۔ اس نظام پر ضرب لگانے کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے اور وہ دن دور نہیں جب مسلمان عوام کی بڑھتی ہوئی آبادی نہ صرف اپنے ممالک کے اندر سود خور استحصالی قوتوں کو الٹ کر رکھ دے گی بلکہ بین الاقوامی استحصالی نظام کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔

یہ بات بھی شاید قارئین کے دلچسپی کا باعث ہو کہ مغربی ممالک میں آبادی میں کمی کسی منصوبہ بندی کے نتیجہ میں نہیں ہو رہی بلکہ مادر پدر آزاد جنسی معاشرے کا نتیجہ ہے۔ وہاں پر خاندانی نظام (جس میں مرد عورت اور بچوں کا کفیل ہوتا ہے) میں کمی ہونے کی وجہ سے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری عورت پر آ رہی ہے۔ چنانچہ وہاں کی عورت اپنے اس بوجھ کو کم کرنے کے لئے بچوں کی پیدائش میں کمی کرنے پر مجبور ہے جبکہ مسلمان عورت کو ابھی یہ مجبوری لاحق نہیں ہوئی۔ OO

بقیہ : اک عرض تمنا

سیاسی جماعتیں مروجہ نظام کے تحت لوگوں کو ایسی حکومت نہ دے سکیں جو امن کی ضامن ہو جو لوگوں کو سکون اور ترقی کے مواقع بہم پہنچا سکے تو پھر لوگ بتدریج ایسی مضبوط انتظامیہ کی خواہش کرنے لگیں گے چاہے ایسی انتظامیہ کی صورت کچھ بھی ہو اور وہ کسی بھی طرف سے نازل ہو۔ لوگ ایسے انتشار اور طوائف الملوکی سے اکتا چکے ہیں جس نے ملک کے وقار کو گہنا کر رکھ دیا ہے اور اب میں برسرپیکار جماعتوں کو خبردار کرتا ہوں کہ اب کی بار اگر آئین متزلزل ہوگیا تو پھر ہم کوئی دوسرا آئین تیار نہ کرسکیں گے کیونکہ ہم اپنے آپ کو ایسی فضاء پیدا کرنے کے اہل ثابت نہیں کرسکے جو یکجہتی، یگانگت اور باہمی افہام و تفہیم کے لئے سازگار ہو۔ OO

بقیہ : لاؤڈ سپیکر کا استعمال

نظام مصطفےٰ کی تحریک کے نام پر بھٹو مرحوم کی حکومت کو ہٹانے میں اپنی پوری قوت صرف کردی تھی، کیا وہ معاشرے میں رائج منکرات کو مٹانے کے لئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہوسکتے؟۔ افسوس تو یہ ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں سیکولر جماعتوں کے ساتھ اتحاد میں شریک ہوکر سیکولرزم کے فروغ میں تو شامل رہی ہیں لیکن اللہ کے عائد کردہ فریضہ نہی عن المنکر کی انجام دہی کے لئے اکٹھے ہونے سے قاصر ہیں۔

ایک اشتہار بھی اس سلسلے میں مفتی محمد محی الدین سربراہ تحریک نفاذ فقہ حنفیہ پاکستان کی جانب سے اخبارات میں شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے آئمہ مساجد اور خطباء حضرات کو کہا ہے کہ وہ اس فیصلہ سے خوفزدہ نہ ہوں۔ علماء کرام اپنے جمعتہ المبارک کے موقع پر تبلیغ اسلام کے عمل کو لاؤڈ سپیکر پر جاری رکھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی صاحب کا یہ انداز مثبت ہے۔ لیکن حکومت کی دھجیاں بکھیرنے والی بات اس اشتہار میں بھی موجود ہے۔ بے شک مسلمانان پاکستان ایسی ہر حکومت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں گے جو تبلیغ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے گی لیکن اب یہ ہمارے علماء کا فرض ہے کہ وہ مسلکوں اور فرقوں کی تبلیغ کو چھوڑ کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ ان کا اس ملک کے عوام پر احسان عظیم ہوگا۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے دل جڑیں گے اور ع "آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک" والی کیفیت پیدا ہوگی۔ یہی وقت کی اہم ترین دینی ضرورت بھی ہے اور ملکی ضرورت بھی۔ ورنہ لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ "دین ملائی فی سبیل اللہ فساد"

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے تقاضوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ OO

موت سے کس کو رستگاری ہے

آخری مردِ آہن بھی جان ہار گیا

شمالی کوریا کے مختار کل کم ال سنگ کی کمی امریکہ کو زیادہ محسوس ہو رہی ہے

اخذ و ترجمہ: بہردار اعوان

اژدہے ہمیشہ بڑے دریاؤں اور وسیع و عریض جھیلوں میں پائے جاتے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی عام چشمے سے ایک اژدہا برآمد ہو کر زمین پر اپنے پنجے گاڑ دیتا ہے۔ یہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ اور جزیرہ نما کوریا میں بدنظمی کے آغاز کا دور تھا جب کم ال سنگ نے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو وانسن (Wansan) کی بندرگاہ پر قدم رکھا۔ اس وقت جب وہ پچھلے پانچ برس روس میں گمنامی میں رہ کر روسی فوج کے کپتان کی وردی میں واپس وطن آیا تھا تو اسے کوئی جاننے والا بھی نہ تھا۔ بعض لوگ تو اسے کم ال سنگ ماننے کو تیار نہ تھے۔ لوگ اس نام سے ایک مشہور گوریلا کے طور پر واقف تھے جو شاید ایک سال قبل منچوریا میں جاپانیوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہی ۳۳ سالہ تنومند شخص وہ جواں مرد ہے۔ بہرحال جلد ہی لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ کم ال سنگ ہی ہے۔ گزشتہ ہفتے جب اس کے دل کی حرکت بند ہونے سے انتقال ہوا تو نہ صرف وہ اپنے عظیم ہم عصر راہنماؤں' سٹالن اور ماؤ سے کہیں زیادہ عرصہ اقتدار میں گزار چکا تھا بلکہ وہ پہلا کیمونسٹ راہنما ہے جس نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ غربت کے شکار جزیرہ نما کے نصف پر اپنی چھیالیس سالہ بلا شرکت غیرے حکومت میں اس نے ایک ایسی جنگ کا آغاز کیا جسے بار بار تازہ کر کے یہاں تک پہنچا دیا کہ جب وہ جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے قوانین کی خلاف ورزی پر اتر آیا تو پوری دنیا تشویش میں مبتلا ہو گئی۔

اس کا پیدائشی نام کم سانگ جو' تھا۔ وہ اپریل ۱۵' ۱۹۱۲ء کو ایک کسان کے گھر جس جگہ پیدا ہوا اسے شمالی کوریا والے انقلاب کے گہوارہ کا نام دیتے ہیں یعنی "مینگاڈے" (Mangyondae) جو پیاؤنگیانگ (Pyongyang) کے جنوب مغرب میں ایک سادہ سا گاؤں ہے۔ ان کا خاندان اس وقت وہاں آباد ہوا جب ان کے دادا کو' جو ایک مزارع تھے' ان کے امیر جاگیردار نے اپنے خاندانی قبرستان کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا۔ اس جگہ کو اب کم کے بچپن کی طرح روایتی قصے کہانیوں کے ذریعے تقدس کا مقام دے دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سترہ سال کی عمر میں چوتھی جماعت کے طلباء کو مارکس کے بنیادی نظریات اور جدلی مادیت کا فلسفہ پڑھایا کرتے تھے۔ لیکن یہ خاندان منچوریا کیسے پہنچا' جس پر کوریا کی طرح جاپان نے قبضہ کر لیا تھا' اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ سرکاری طور پر پیش کردہ سوانح عمری میں کم کو ایک پکا اور باعزم کوریائی کیمونسٹ بتایا جاتا ہے جو ہمیشہ کوریا کے محاذ پر برسرپیکار رہا' حالانکہ اس کی زندگی کا چھاپہ مار دور چین کے قائم کردہ جاپان مخالف ملیشیا میں گزرا۔ "ال سنگ" نام بھی' جو تمام جنگ جوؤں کے لئے مشترک ہے غالباً چینی فوج کی طرف سے اسے دیا گیا تھا۔

کم ال سنگ کو دراصل اس وقت سنبھلنے کا موقعہ ملا جب ۴۰ ـ ۱۹۳۹ء میں جاپان کی شاہی فوج منچوریا میں چینی گوریلاؤں کا صفایا کر رہی تھی اور وہ بھاگ کر روس جا پہنچا۔ وہاں اسے خباروک (Khabavovsk) کے انفنٹری آفیسرز سکول میں کیپٹن کا عہدہ دے کر روس کی کوریائی بٹالین کی کمانڈ سپرد کی گئی۔ "خباروک" میں اس نے کم شان سک (Kim Chong Suk) سے شادی کر لی جو ۱۹۳۵ء سے کم ال سنگ کی گوریلا ساتھی تھی اور پھر جلا وطنی میں بھی ساتھ تھیں۔ ۱۹۴۵ء میں روس نے جنگ میں شریک ہو کر جاپان کی شمال مشرقی سرحد پر قبضہ کر لیا تو کم کو چھیاسٹھ ماتحت افسروں کے ساتھ "وانسن" بھیجا تاکہ وہاں شمالی کوریا کا ایک فوجی اڈہ قائم کرے۔ یوں اس وقت کم کو کوریا کا راہنما مقرر کیا جانا دراصل ماسکو کا انتخاب تھا۔

یہ بات ویسے بھی سمجھ میں آنے والی ہے کہ کوریا کو سرد جنگ کا اولین مرکز بنانے میں ماسکو یا واشنگٹن دونوں میں سے کسی ایک کا ہاتھ ضرور تھا۔ جہاں تک کم ال سنگ کا تعلق ہے تو اس کی اس جنگ میں دلچسپی کی نوعیت مختلف تھی۔ اس کا ہمیشہ یہ کہنا تھا کہ صرف جنگ کے ذریعے ہی جزیرہ نما کو دوبارہ متحد کیا جا سکتا ہے اور امریکہ کی پشت پناہی میں سیول میں قائم سنگ مین ری (Syngman Rhee) کی حکومت کو نکال باہر کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات کوریا کے ان دوسرے کیمونسٹ رہنماؤں پر اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لئے ایک سیاسی حربہ تھی' جو اتحاد کے لئے بعض دوسرے طریقے اختیار کرنے کے حامی تھے۔

اگرچہ سٹالن کے نزدیک کم کی حیثیت ایک آلہ کار کی تھی مگر کوریا کے لئے اسے ایک عظیم راہنما کا درجہ دینا ناگزیر تھا۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ کم نے کئی مرتبہ ماسکو جا کر سٹالن کو باور کرا دیا ---- کہ جنوبی کوریا کے عوام اس کی انقلابی فوج کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس نے روسی آقاؤں کے اس خیال کو بھی بڑھاوا دیا کہ امریکہ کوریا کی جنگ میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب امریکہ نے ماؤ کے خلاف قوم پرست چینیوں کی مدد نہیں کی تو وہ "سنگ مین ری" کی مدد کے لئے کیوں آئے گا۔ اس طرح کم روس سے بھاری فوجی امداد حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ پچیسویں سویت آرمی کے تمام ہتھیار اور اس علاقے میں جاپانی فوجوں سے چھینے جانے والا اسلحہ اسے ورثہ میں مل گئے۔

۱۹۵۰ء میں شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان ہونے والی سرحدی جھڑپوں کے دوران سٹالن نے کم سے کہا کہ "اگر مزید اسلحہ چاہئے تو ہم دینے کو تیار ہیں" "جنوب" والوں کو منہ توڑ جواب دو لیکن ساتھ ہی اس نے خبردار کر دیا کہ "اگر تمہیں مار پڑی تو پھر ماؤ سے مدد لینا ہو گی' میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔" چنانچہ وہاں سے کم نے بیجنگ جا کر ماؤ سے بات کی کہ سٹالن کا

خیال ہے کہ کوریا کی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ چینی راہنما نے مدد کرنے کی حامی بھرلی لیکن کم کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ امریکہ نے مداخلت کر کے اسے پیاؤنگیانگ سے بھاگ کر بیجنگ سے مدد طلب کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس لڑائی میں کم خود بھی زخمی ہوا، کوریا کے دونوں حصے تباہ ہو کر رہ گئے اور تیس لاکھ انسان مارے گئے۔

کم ال سنگ نے یہاں سے بچ نکلنے پر اپنی حکومت پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا جو آخر تک جاری رہا اس نے اپنے سیاسی مخالفین کو بڑی بے رحمی سے ختم کیا۔ دنیا کا بدترین سیکورٹی نظام رائج کیا جس کی رو سے پوری آبادی تین قسم کے لوگوں میں منقسم تھی۔ وفادار، غیر یقینی اور متحارب عناصر ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ہزاروں کی تعداد میں سیاسی مخالفین نظربندی کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں جبکہ لاتعداد افراد قتل کئے جا چکے ہیں۔

چین اور روس چار و ناچار ان کی سیاسی اور معاشی مدد کرتے رہے۔ کم کا اپنے عہدہ پر برقرار رہنا ان کے لئے نظریاتی تقویت کا باعث تھا۔ ایشیا کے ایک اہم خطے میں امریکہ کی موجودگی کے خلاف شمالی کوریا نے ہراول دستے کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ پورے سرد جنگ کے دور میں کم کو بیجنگ اور ماسکو کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی حکومت کو ایک خود مختار اور معاشی طور پر خود کفیل قرار دیتے رہے ہیں۔ ساٹھ کی دہائی میں شمالی کوریا کو جنوبی کوریا پر واقعی معاشی برتری حاصل ہو گئی تھی مگر سٹالن طرز کی ناقص کارکردگی اور بھاری دفاعی اخراجات کے سبب اگلی ہی دہائی میں غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔ سٹالن اور ماؤ کی طرح قومی سطح پر کم پرستی کا اہتمام کیا گیا۔ پورے ملک میں بڑے بڑے مجسمے کھڑے کئے گئے، جن میں پیاؤنگیانگ میں سونے کی باریک تہ کا "عظیم باپو" کا مجسمہ بھی شامل ہے۔ بالآخر انہوں نے اپنے بیٹے کم جانگ ال کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور دونوں باپ بیٹے نے ملک بھر کا دورہ کر کے ایک دوسرے کی شان میں اور اپنے خاندان کے حق میں قصیدے بیان کئے۔ اس کا اثر توقع کے مطابق اس مضحکہ خیز قومی سیاست کے تسلسل کی صورت میں برآمد ہوا۔ ایک مرتبہ کم ال سنگ نے کہیں یہ بات کہہ دی کہ مینڈک کی کلیجی اس کی صحت کے لئے مفید ہے چنانچہ ان کی پیپلز آرمی کے رضا کار اٹھ کھڑے ہوئے اور ملک بھر سے پانچ ہزار مینڈک لاکر صدارتی محل میں جمع کر دیئے۔ ایسی عجیب و غریب اور بے سرو پا حکایات گزرے دور کے بادشاہوں سے متعلق سنتے تھے۔ شاید یہ اس کی ایک آخری یادگار تھی۔ ("ٹائم" سے ماخوذ)

عشق کے ہاتھ میں یہ تیغ تھمادی کس نے؟

واشنگٹن دیکھ رہا ہے کہ ایران بوسنیا میں ہتھیار بھیج رہا ہے۔ مئی سے لے کر اب تک ٹنوں چھوٹے ہتھیار کروشیا کے راستے ان مسلمان مجاہدین تک پہنچ چکے ہیں، جو سرب جارحیت کا بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ جب یہ سلسلہ زیادہ بڑھا تو امریکی حکومت کو سوچنا پڑا کہ اسے روکا جائے یا نہیں۔ ڈیفنس سیکرٹری، ولیم پیری اور جائنٹ چیف آف سٹاف کا خیال تھا کہ ان ہتھیاروں کے نتیجے میں جنگ کو صرف طول ہی دیا جاسکتا ہے۔ سی۔ آئی۔ اے نے بھی جو اس سارے معاملہ پر نگاہ رکھے ہوئے ہے 'اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ سٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے بالآخر یہ طے کیا کہ ان ہتھیاروں کی فراہمی جاری رہنے دی جائے۔

کلنٹن انتظامیہ تو بوسنیا پر ہتھیاروں کی پابندی ختم کرنا چاہتی تھی مگر اسے اپنے یورپی اتحادیوں سے اس کے لئے حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ امریکی خفیہ ذرائع کا کہنا ہے کہ ایران کی طرف سے ہتھیاروں کی فراہمی میں تیزی سے بوسنیا کے مسلمان مجاہدین کے حوصلے تو ضرور بڑھے ہیں مگر ان کے ذریعے سربوں سے اپنے مقبوضہ علاقے واپس لینا ممکن نہیں بنایا جاسکتا۔ پینٹاگان کا تخمینہ ہے کہ اس کے لئے کم از کم پانچ ڈویژن امریکی فوج درکار ہوگی چنانچہ مغربی ذرائع کو یقین ہے کہ نیپلز کی سربراہی کانفرنس میں بوسنیا کے لئے سرب فتوحات کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

(نیوز ویک '۱۱/جولائی)

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

کی تازہ ترین تالیف

برعظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہو گئی ہے ــــ جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی مساعی اور ان کے حاصل، اور
- "اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں ناگزیر تمدنی اساس کے تقاضوں" کے علاوہ
- اس سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ــــ!

سفید کاغذ پر ۱۰۴ صفحات مع دیدہ زیب سرورق ــــ قیمت فی نسخہ ۳۰/-

تحریک کے ناظم اعلیٰ کا پہلا دورہ کوئٹہ

سید برہان علی

کوئٹہ میں تحریک خلافت کے قیام کے بعد سے ہی تحریک کے پلیٹ فارم پر کام جاری ہے' جو سردست اجتماعات تک ہی محدود ہے۔ کوئٹہ شہر چونکہ دوسرے بڑے شہروں سے کٹ کر اور ہٹ کر واقع ہے لہٰذا اس شہر کی جانب ہمارے مرکزی قائدین کی توجہ نسبتاً کم رہتی ہے' ممکن ہے طویل مسافت اس سلسلے میں مزاحم رہتی ہو۔ ایسا ہی معاملہ تحریک خلافت کے ضمن میں بھی رہا اور تحریک خلافت کے کسی بھی مرکزی قائد کا ماضی میں کوئٹہ کا کوئی دورہ نہ ہو سکا۔ الحمد اللہ کہ اب محترم سید نسیم الدین صاحب کی کوششوں سے کوئٹہ کے رفقاء کی دیرینہ آرزو کو پذیرائی حاصل ہوئی اور اس طرح محترم جنرل انصاری صاحب کے دورۂ کوئٹہ کو آخری شکل دے دی گئی۔ پروگرام کے مطابق محترم ناظم اعلیٰ تحریک خلافت کو یکم جون کو کوئٹہ پہنچنا تھا۔ چنانچہ مجوزہ دورہ کے لئے کوئٹہ میں موجود رفقاء اور معاونین کے لئے آزمائش و امتحان کی گھڑیاں آن پہنچی تھیں۔ تعداد کی قلت کے باوجود رفقاء کے اندر مذکورہ دورہ کو بھرپور اور کامیاب بنانے کے لئے بے مثال جذبہ' لگن اور تڑپ موجود تھی۔ چنانچہ دورہ کی بھرپور تشہیر کی گئی۔ پندرہ روز پہلے سے ہی باقاعدہ اخبارات میں پریس ریلیز جاری کئے گئے۔ اس کے علاوہ شہر میں چیدہ چیدہ مقامات پر ایک درجن کپڑے کے بینرز لگائے گئے۔ نیز شہر بھر میں سات سو پوسٹر بھی چسپاں کئے گئے۔ جمعہ کے روز شہر کی تمام مساجد کے باہر نماز جمعہ کے ان اختتام پر دس ہزار ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ علاوہ ازیں رفقاء نے اپنے اپنے حلقہ احباب میں مجموعی طور پر سات سو خصوصی دعوت نامہ کارڈ تقسیم کئے۔

یکم جون کو پی آئی اے کی فلائٹ سے تقریباً پانچ بجے کوئٹہ آمد کے فوراً بعد محترم انصاری صاحب کا پریس کانفرنس سے خطاب طے تھا۔ لیکن شوئی قسمت کہ پی۔ آئی۔ اے کی فلائٹ اس روز ضرورت سے زیادہ تاخیر سے کوئٹہ پہنچی۔ تقریباً سات بجے کے لگ بھگ محترم جنرل صاحب پریس کلب پہنچ سکے۔ بہت زیادہ تاخیر ہو جانے کی وجہ سے اکثر اخباری نمائندے جا چکے تھے۔ تاہم جو لوگ موجود تھے ان سے محترم جنرل صاحب نے خطاب فرمایا۔ ان کے سامنے تحریک خلافت کا تعارف اور مقاصد بیان کئے۔ بعد ازاں مختلف سوالات کے جوابات دیئے۔ اسی روز بعد نماز مغرب ہمارے ایک رفیق نے اپنے دولت خانہ پر ایک خصوصی نشست کا اہتمام کر رکھا تھا' جس میں شرکت کے لئے کچھ اہل علم و دانش کو دعوت دی گئی تھی۔ نماز عشاء تک یہ نشست جاری رہی۔ ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کے موضوع پر محترم ناظم اعلیٰ نے قرآن حکیم کی آیات کے حوالے سے پر مغز گفتگو فرمائی۔ بعد ازاں سامعین کے سوالات کے جوابات عنایت فرمائے۔

۲/ جون کو صبح دس بجے رفقاء کا خصوصی اجتماع تھا' جس میں مہمان گرامی نے فرداً فرداً تمام رفقاء سے تعارف حاصل کیا۔ اس موقع پر رفتار کار اور طریق کار کے ضمن میں ہر رفیق سے ان کی ذاتی رائے طلب فرمائی۔ اپنے پاس تحریری طور پر تمام آراء کو محفوظ کر لیا۔ اسی روز شام بعد از نماز مغرب گورنمنٹ سائنس کالج کے آڈیٹوریم میں جنرل صاحب کا خطاب عام طے تھا۔ اس خطاب کا موضوع تھا "پاکستان کی بقاء کیسے ممکن ہے۔" تمام رفقاء چار بجے سہ پہر مذکورہ آڈیٹوریم پہنچ گئے تھے' جہاں انہوں نے انتظامات کو آخری شکل دی۔ مغرب و عشاء کی باجماعت نماز کے لئے بھی وہاں مکمل انتظام کیا گیا تھا۔ بھرپور طریقہ سے مکتبہ بھی لگایا گیا۔

نماز مغرب کے فوراً بعد قاری شاہد اسلام بٹ صاحب کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ اولاً محبوب سبحانی صاحب' مقامی امیر کوئٹہ نے حاضرین سے خطاب فرمایا' جس میں تحریک خلافت کا تعارف و مقاصد بیان فرمائے۔ ثانیاً جناب سید نسیم الدین صاحب ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد صدر جلسہ' ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان جناب جنرل انصاری صاحب نے اپنی مدلل گفتگو کا آغاز فرمایا۔ کوئٹہ میں تحریک خلافت کے پلیٹ سے یہ ان کا پہلا خطاب تھا۔ آپ نے اپنے خطاب میں سامعین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ پاکستان میں تمام نظام بشمول صدارتی' پارلیمانی اور فوجی ناکام ہو چکے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ لوگ نظام خلافت کی برکات سے آگاہ ہوں اور اس نظام کے قیام کے لئے حتی المقدور کوشش و جدوجہد کریں۔ نیز کم از کم اپنے دلوں میں اس کے قیام کی آرزو تو ضرور رکھیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے حصول کے لئے ہم نے لازوال قربانیاں دیں۔ ان قربانیوں کی غرض و

تقریب بسلسلہ تشکیل خلافت کمیٹی اسلام آباد

ضلعی خلافت کمیٹیوں کی تشکیل کے سلسلے میں حلقہ شمالی پنجاب میں ضلعی خلافت کمیٹی اسلام آباد کی پہلی تقریب مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۹۴ء بوقت شام چھ بجے بمقام میلوڈی مارکیٹ میں واقع انجمن خدام القرآن کے دفتر کے قریب منعقد ہوئی' جس کی صدارت جناب عبد الرزاق سیکریٹری تحریک خلافت پاکستان نے فرمائی۔ کمیٹی کے عہدیداران نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے نظام خلافت کی برکات عوام الناس تک پہنچانے کا عہد کیا۔ ناظم تحریک خلافت حلقہ شمالی پنجاب جناب شمس الحق اعوان نے بھی حاضرین سے خطاب فرمایا۔ آخر میں صدر تقریب جناب عبدالرزاق نے ضلعی خلافت کمیٹیوں کی تشکیل کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس سے ہمارا مقصد نظام خلافت کی برکات کا پیغام پاکستان کے ہر گلی کوچے میں پہنچانا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وارڈ کمیٹیوں کی تشکیل بھی کی جا رہی ہے تاکہ نظام خلافت کو برپا کرنے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کیا جا سکے۔ آخر میں شرکاء کی چائے سے تواضع کی گئی۔OO

غایت صرف اور صرف یہ تھی کہ اس خطہ زمین میں اللہ کے دین کا بول بالا ہو اور ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تحت اپنی زندگیاں گزار سکیں لہٰذا اس ملک کی بقاء کا انحصار ہی اللہ کے دین کے نفاذ اور خلافت کے قیام میں مضمر ہے۔ اپنے خطاب کے اختتام پر آپ نے سامعین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس طرح نماز عشاء کی باجماعت ادائیگی کے ساتھ ہی اس محفل کا اختتام ہوا۔

دوسرے دن بروز جمعہ تنظیم اسلامی کے دفتر میں خصوصی نشست برائے سوال وجواب ۱۰ بجے تا ساڑھے بارہ بجے منعقد ہوئی' جس میں محترم ناظم اعلیٰ نے ہر فرد کے سوال کے بھرپور اور مدلل انداز میں جواب دیئے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ تنظیم اسلامی اور دوسری دینی جماعتوں میں کون سا نمایاں فرق ہے؟ محترم جنرل صاحب نے ـــــ ہر جماعت کا پس منظر اس کی کارکردگی اور اس کے حاصل کو دو اور دو چار کی طرح ثابت کر کے واضح کیا کہ تنظیم اسلامی خالصتاً اللہ کی رضاء اور آخرت کی فلاح کے لئے انقلابی راستے سے نظام خلافت برپا کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام اپنی جانوں پر کھیل کر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ ہمارے سامنے حضور ﷺ کا راستہ ہے۔ آپ کی سیرت آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ کاش کہ ہماری دینی جماعتیں اس انقلابی راستے کو اپنا لیں۔ یہ نشست دن ساڑھے بارہ کے قریب اختتام پذیر ہوئی۔

۳/ جون جمعہ ہی کے دن بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر پہلے سے طے شدہ ایک مسجد میں خطاب جمعہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ البتہ جمعہ کو ہی بعد نماز مغرب جامع مسجد جیل روڈ ہدہ میں جنرل صاحب نے حاضرین سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں بھی آپ نے دین کی اہمیت' اس کے قیام کے لئے جدوجہد' مسلمان ہونے کے ناطے اپنے اخلاق و کردار کی تعمیر نیز خلافت کی برکات و ثمرات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔

مورخہ ۴/ جون کو دن کے اوقات میں کوئی پروگرام نہیں رکھا گیا تھا۔ البتہ محترم نسیم الدین صاحب ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان نے رفقاء کے ساتھ خصوصی میٹنگ رکھی تھی' جس کا پروگرام کچھ یوں تھا کہ بعد نماز عصر تا مغرب کوئٹہ کی مقامی مشاورتی کمیٹی کے اراکین کے ساتھ اور بعد ازاں تمام رفقاء کے ساتھ خصوصی گفتگو کا پروگرام تھا۔ یہ خصوصی نشست رات دس بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد تمام

ہماری بات نہیں بات ہے زمانے کی

"جہاں تک میرا تعلق ہے' میں غلامانہ دور کی مرکزیت کے خلاف ہوں۔ میرے خیال میں پاکستان کو مزید صوبوں میں تقسیم کرنا چاہئے بلکہ ضلعوں کو عملاً تمام شعبوں کا مرکز بنا کر صوبوں کا درجہ دے دیا جائے۔ اس وقت پنجاب کی آبادی باقی تمام صوبوں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ اس کے ممبر اگر ایک فیصلہ کر لیں تو باقی تینوں صوبے مل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ صورتحال ملکی یکجہتی اور استحکام کے لئے موزوں نہیں۔ اسپین میں صوبوں کا سائز اس بنیاد پر متعین کیا جاتا ہے کہ ایک خچر ۲۴ گھنٹے کے سفر میں اس کے صدر مقام تک ضرور پہنچ جائے۔ یہ بات مجھے خود جنرل فرانکو نے ۱۹۷۰ء میں بتائی تھی۔ ترکی کا رقبہ ہم سے کہیں کم ہے لیکن وہاں ساٹھ صوبے ہیں"۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) نواب زادہ شیر علی خان کا ہفت روزہ تکبیر کو انٹرویو اشاعت ۸ تا ۱۴ جولائی ۹۴ء

رفقاء نے کھانا کھایا' جس میں محترم انصاری صاحب بھی شریک تھے۔ کوئٹہ کے رفقاء کو ایسے نادر مواقع شاذو نادر ہی میسر آتے ہیں لہٰذا تمام رفقاء نے جنرل صاحب کی اس موجودگی پر انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور اس موقع کو اپنے لئے ایک بڑی سعادت گردانا۔

کوئٹہ کے رفقاء نے اپنی بساط کے مطابق اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے بھرپور کوشش کی۔ چونکہ تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے یہ کوئٹہ میں پہلا پروگرام تھا اس لئے بھی ہر رفیق پر یہ دھن سوار تھی کہ اس پروگرام میں حاضری زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ لیکن یہ اللہ کے کام ہیں' اللہ جب چاہیں مخلوق کے دل پھیر دیں۔ چنانچہ مذکورہ پروگرام میں رفقاء کی توقع کے مطابق حاضری نہ ہو سکی تاہم ہمارے رفقاء مایوس نہیں ہیں' ہمارے حوصلے بلند ہیں۔ ہمیں یہ سبق یاد ہے کہ ہمیں تو یہ کام کرتے ہی رہنا ہے۔ خواہ کوئی ہماری آواز پر کان دھرے یا نہ دھرے۔ ہم تو یہ محنت اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ یہی ہمارا مقصد ہے' یہی ہمارا نصب العین ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ ایک نہ ایک روز یہ آواز پھیل کر ضرور لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جائے گی اور اس ملک میں خصوصاً اور بقیہ ممالک میں عموماً اللہ کے دین کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ آخر میں اگر اپنے چند ساتھیوں کا خصوصی ذکر نہ کیا جائے تو زیادتی ہوگی۔ یوں تمام رفقاء نے ہی بڑھ چڑھ کر کام میں حصہ لیا لیکن بعض ساتھی وہ ہیں کہ جن کو اللہ پاک نے دیگر رفقاء کے مقابلہ میں زیادہ وسائل و انعامات اور دل کی سخاوت سے نوازا اور بڑا حوصلہ عطاء فرمایا ہے۔ ہمارے ایک رفیق محمد ادریس صاحب ہیں جو اگرچہ اس قافلہ عشق وجنون میں حال ہی میں شامل ہوئے ہیں تاہم انہوں نے محترم جنرل انصاری صاحب کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے جبکہ جنرل صاحب موصوف سے ان کی رشتہ داری بھی ہے۔ تاہم چار پانچ روز تک انہوں نے ان کی خدمت جس انداز سے کی' اللہ کریم ان کو اس کے اجر سے نوازے۔ آمین۔ ہمارے دوسرے رفیق اکرام الحق صاحب ہیں' جن کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ بازو میں فریکچر ہو جانے کی وجہ سے صاحب فراش تھے تاہم اس حالت میں بھی انہوں نے نہ صرف محترم سید نسیم الدین صاحب کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے بلکہ رفقاء کے اجتماعی کھانے کا بھی اپنے دولت خانہ پر اہتمام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ خطیب جامع مسجد جیل روڈ ہدہ ہمارے پرانے مہربان ہیں۔ ان کا دست شفقت ہمیشہ ہمارے رفقاء کے سروں پر رہتا ہے۔ کوئٹہ میں ان کی مسجد ہی ایسی واحد مسجد ہے جس میں کوئٹہ تنظیم کے رفقاء کو اپنے پروگرام چلانے کی مکمل آزادی ہے۔ اس مرتبہ بھی ہمارا ایک پروگرام ان کی مسجد میں رہا' جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور جس کی پیش کش انہوں نے خود کی۔ اللہ رب العزت ان کے اس تعاون علی البر کو قبول فرما کر اس کا اجر ان کے لئے محفوظ فرمائے۔ آمین○○

لاؤڈ سپیکر اور مساجد کا باہمی تعلق

جواز و عدم جواز کی بحث

میم سین

اچھی چیز کا بھی برا استعمال غیر مفید ہو جاتا ہے

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے، خود بھی ایک معروف عالم دین ، فیڈرل شریعت کورٹ کے جج اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن ہیں۔ چند ماہ قبل ان کا ایک مضمون بعنوان "لاؤڈ سپیکر کا ظالمانہ استعمال" روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا اپنے اس مضمون میں انہوں نے لکھا تھا کہ "ایذارسانی کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ سپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے"۔ اسی مضمون میں آگے چل کر انہوں نے تحریر فرمایا "گانے بجانے کا معاملہ تو الگ رہا" کہ اس کو بلند آواز سے پھیلانے میں دوہری برائی ہے' اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس میں بھی لوگوں کو لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں"۔ دراصل یہ اتنا اہم مضمون ہے جسے ہر اس شخص کو ضرور پڑھنا چاہئے جو دین کی خدمت کی نیت سے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو ناگزیر سمجھتا ہو۔ آیئے ہم جائزہ لیتے ہیں کہ تبلیغ دین کے سلسلے میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال کن کن صورتوں میں رائج ہے۔

۱- قرآن کریم کی تلاوت:-

دیکھا گیا ہے کہ مسجدوں سے مختلف اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے اذان سے متصلاً پہلے۔ یہ اہتمام وہاں زیادہ ہوتا ہے جہاں مسجدوں میں اقامتی مدرسے قائم ہیں۔ ان مدرسوں کے مہتمم حضرات غالباً طلباء کی تلاوت کی مشق کے لئے اس موقع کو بہترین سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کی جارہی ہو تو اس وقت پوری خاموشی کے ساتھ تلاوت کی سماعت کی جائے۔ ان گھروں کے مکینوں کے لئے جن تک تلاوت کی آواز پہنچ رہی ہوتی ہے، کتنی مشکل صورت حال ہوتی ہے۔ یا تو وہ گھر کی ساری مصروفیات جن میں نماز جمعہ کی تیاری بھی ہوتی ہے چھوڑ کر تلاوت سننے کے لئے بیٹھ جائیں بصورت دیگر اس ارشاد ربانی سے غفلت کے مرتکب ہوں!۔ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ آیات سجدہ کی بھی بسا اوقات تلاوت ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عوام الناس کو ہر آیت سجدہ یاد تو نہیں ہوتی اور نہ ہر وقت وہ باوضو ہوتے ہیں کہ فوراً سجدہ کرلیں۔ سجدہ کو موخر کرنے میں اس کے بھول جانے کا احتمال بھی ہوتا ہے۔

۲- دروس قرآن و وعظ کی محفلیں:-

یہ محفلیں عموماً مساجد میں بعد نماز عشاء منعقد ہوتی ہیں یا پھر قبل نماز عشاء۔ وعظ کو سمجھنے کے لئے جہاں یکسوئی کے ساتھ اسے سننا لازم ہے، اس سے کہیں زیادہ اس کی ضرورت دروس قرآن میں ہے۔ واعظ و مدرس کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے لئے یکسوئی تو ممکن ہے لیکن جو لوگ اپنے گھروں یا دکانوں میں ہوتے ہیں ان کے لئے یہ تقریباً محال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مجالس کو لاؤڈ سپیکر کے ذریعے نشر کرنے میں منتظمین کا مقصد اس کے دائرہ سماعت کو وسیع کرنا ہوتا ہے لیکن بظاہر اس کی کوئی افادیت نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ بیماروں اور طلباء وغیرہ کے لئے تو یہ سلسلہ تکلیف دہ ہوتا ہی ہے' سنتوں کی ادائیگی میں مصروف یا تلاوت قرآن کریم کرنیوالوں کے لئے بھی یہ کم تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسجد میں امام نے تکبیر تحریمہ کے بعد تلاوت شروع کی اس کے ساتھ ہی پاس والی مسجد سے درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔

ع ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

اہل تشیع حضرات کا معاملہ سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ نوحے ماتم وغیرہ ان کے ہاں عبادات کا درجہ رکھتے ہیں لیکن عموماً ذاکرین وعظ اس وقت شروع کرتے ہیں جبکہ دوسری مساجد میں لوگ عشاء کی نماز میں مصروف ہوتے ہیں۔ ہم ان کے عقائد سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ کیا نبی کریم ﷺ ' ان کے اصحابؓ اور اہلبیت نے ایسی عبادت کی حوصلہ افزائی کی ہے' جس سے دوسروں کی عبادت میں خلل واقع ہوتا ہو۔ کم از کم اس کم علم کو تو ایسا کوئی دین کا حکم نظر نہیں آیا۔ اگر ایسا ہے تو اس کی نشاندہی اس پر ایک احسان شمار ہوگا۔

۳- اجتماعات جمعہ کے وعظ:-

اول تو مساجد کی فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم کے نتیجے میں محراب و منبر سے دین کی بجائے فرقوں اور مسلکوں کی تبلیغ ہو رہی ہے' جس کے نتیجے میں لوگ دین کے قریب آنے کی بجائے اس سے نہ صرف دور ہوتے جارہے ہیں بلکہ علماء سے بیزاری کے ساتھ ساتھ ان میں دین سے بیزاری بھی بڑھ رہی ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی لاؤڈ سپیکر کے ذریعے خطابات جمعہ کی افادیت مسجد سے باہر کے لوگوں کے لئے نہ ہونے کے برابر ہے۔

۴- مذہبی سیاسی جماعتوں کے جلسے:-

ان جلسوں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ خالصتاً سیاسی جلسے' سیرت النبی یا سیرت صحابہ وغیرہ کے جلسے یا پھر نعت کی محفلیں۔ ان میں آج کل ساؤنڈ سسٹم کا جس طرح استعمال ہو رہا ہے اس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں۔ ان جلسوں کے لئے ہارن اس طرح دور دور تک لگائے جاتے ہیں کہ ان کی مار فرلانگوں ہوجاتی ہے۔ ۱۹۹۳ء کے انتخابات کے دوران جس قدر بے ہنگم شور شرابے سے کراچی کے لوگوں کو واسطہ پڑا ہے وہ انہوں نے اب تک فراموش نہیں کیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی جماعتوں پر تنقید کیوں' جبکہ دوسری سیاسی جماعتیں بھی اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث رہی ہیں۔ دینی جماعتوں کے قائدین اور کارکنان کی جس طرح اخلاقی تربیت کی جاتی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس قسم کی حرکتوں میں ملوث نہ ہوں۔ کیونکہ "چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" اس صورت حال کے پیش نظر اگر حکومت وقت نے خطبات جمعہ اور اذان کے علاوہ مساجد میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی لگائی ہے تو یہ عوام کے لئے

سکون کا ذریعہ بنا ہے لیکن جو ردعمل فوری طور پر علماء کی جانب سے آیا ہے وہ انتہائی مایوس کن ہی نہیں غیر متوقع بھی ہے۔

جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک بیان میں پورے ملک کے علماء' دینی جماعتوں اور خطباء سے اپیل کی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک کو پورے ملک میں مساجد میں لاؤڈ سپیکروں کے استعمال کی پابندی کے قانون کی اجتماعی طور پر خلاف ورزی کریں اور مذہب میں مداخلت کے اس ناروا اقدام کی دھجیاں بکھیر دیں۔ (گویا کہ حکومت نے یہ حکم جاری کرکے کفر بواح کا ارتکاب کر دیا ہے جس کی اجتماعی خلاف ورزی لازم ہوگئی ہے۔) انہوں نے مزید فرمایا کہ لاؤڈ سپیکر کے بے جا اور غلط مقاصد کے استعمال کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔ (اللہ کا شکر ہے کہ کم از کم اس حد تک تو وہ حکومت سے متفق ہیں) مگر اس کی اصلاح کے لئے علماء اور مختلف مکاتب فکر باہمی اخلاقی ضابطے طے کرسکتے ہیں۔ (اگرچہ کہ ملک کو قائم ہونے تقریباً نصف صدی کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن علماء نے اس معاملہ کے طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وطن عزیز میں مذہبی فرقہ واریت کی جڑیں اتنی گہری ہوچکی ہیں کہ اب ان کا اکھاڑا جانا مشکل نظر آتا ہے۔ آئے دن اہلسنت کی مساجد میں فرقوں کی بنیاد پر ڈنڈے بازی ہوتی ہے اور مسجدوں پر قبضہ جمانے کی رسم عام ہوگئی ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مسجدوں پر قبضے کی ضرورت پیش ہی کیوں آتی ہے۔ اس کی بظاہر وجہ تو یہی ہے کہ اس طرح ہر فرقے کو اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا ہوجاتا ہے۔ اختیارات کے ناجائز استعمال پر تو سیاستدانوں کے خلاف ہمارے رجال دین بہت شور و غوغا کرتے ہیں لیکن کیا انہوں نے مساجد کے ناجائز استعمال پر بھی کبھی غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔) انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ حکومت نے اس اقدام کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا سہارا لیا ہے' جس کی صریح منکرات اور قطعی برائیوں کے بارے میں سینکڑوں سفارشات حکومتوں نے ردی کی ٹوکری میں ڈالی ہوئی ہیں۔ مگر ان سب میں حکومت کو اپنے مطلب کی سفارش پسند اور قابل عمل نظر آتی ہے۔ (مولانا سے یہ سوال انتہائی ادب کے ساتھ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں ہمیشہ علماء ہی شریک رہے ہیں' اگر ان کی سفارشات کو حکومتیں منظور نہیں کرتیں تو آخر علماء کو اس کونسل میں شریک ہونا اللہ تعالیٰ نے فرض تو قرار نہیں دیا۔ وہ آخر کیوں حکومتوں سے تعاون پر مجبور ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا بجا کہ صریح منکرات اور قطعی برائیوں کے بارے میں سینکڑوں سفارشات حکومتوں نے ردی کی ٹوکری میں ڈالی ہوئی ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ تو ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہی ہے لیکن قیامت کے دن اس کے بارے میں سب سے زیادہ پرسش تو علماء کرام ہی سے ہوگی۔ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرکے بتائیے گا کہ کیا علماء اس فریضہ کو کماحقہ ادا کر رہے ہیں"۔

مولانا کی خدمت میں دست بستہ عرض ہے کہ حکومت کے ہر اقدام کی مخالفت کو فیشن نہ بنائیں۔ اگر آپ نے خلاف ورزی کرنی ہی ہے تو سب سے پہلے سود پر مبنی نظام معیشت کی خلاف ورزی کیجئے اور اپنے حلقہ اثر کو مجبور کیجئے کہ وہ حکومت کے اس اقدام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں' جو اس نے سود کے بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرکے کی ہے۔ علماء نے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عملی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت

رجوع الی القرآن

کا منظر و پس منظر

چھپ کر آگئی ہے — ضرور مطالعہ کیجئے — دوسروں تک پہنچائیے

■ سفید کاغذ ■ عمدہ کتابت ■ دیدہ زیب طباعت ■ قیمت مجلد/۸۰ روپے ■ غیر مجلد/۶۵ روپے

اسی کشمکش میں گزریں......

تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

ایک عہد جو استوار نہیں

میم سین

دین کے لئے کام کرنے والے بھلا فرزانے ہوتے ہیں!

دیکھو عہد کو پورا کیا کرو کہ عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ دین سے دلچسپی رکھنے والا کون سا ایسا فرد ہوگا جو اس ارشاد ربانی سے آگاہ نہ ہو۔ اور آگاہ تو میں بھی ہوں لیکن جب میں اپنے معاملات زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو صرف ایک معاملہ ایسا نظر آتا ہے جس میں' میں شاید اس ارشاد ربانی پر کسی حد تک پورا اترتا نظر آتا ہوں۔ اور وہ ہے۔ اپنی شریک حیات سے کئے گئے عہد کی پابندی کا معاملہ۔ جس دن سے یہ ہستی میری زندگی میں آئی ہے میری زندگی کا نصب العین اس کی کفالت اور بعد ازاں بچوں کی پرورش بن گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ کفالت بہت ہی وسیع المعنی ہے۔ عام استعمال میں روٹی کپڑے اور مکان کی ذمہ داری تو ہے ہی لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ معاشرے میں زندگی گزارنے کے لئے جو چال چلن رائج ہیں یعنی ضروریات زندگی کا ایک لامتناہی سلسلہ۔ خواہشات کی تکمیل اور خواہشات بھی وہ جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے"۔ تو بس دم ہی نہیں نکلتا زندگی کے اس mad race میں باقی تمام تر درگت بن جاتی ہے۔ پہلے تو کھانوں کا معاملہ ہے تو اس حد تک غنیمت ہے کہ سامان خورد و نوش ہی مہیا کرنا ہے اور پھر اس میں میرے اپنے لذت کام و دہن کا سامان بھی موجود ہے۔ لذت کام و دہن کی فتنہ سامانی بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ اس پر گفتگو چلی تو بات لمبی ہوجائے گی۔ اب ذرا دوسری طرف چلیں۔ لباس انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ لیکن یہ ضرورت لمبی ہوتی چلی جائے اور اس کے رنگ دبیز سے دبیز تر ہوتے چلے جائیں اور ہر تقریب کے لئے نیا جوڑا لازمی ہوجائے تو پھر بتائیں کہ شوہر نامدار کیا کرے۔ تقریبات کی شکل میں فیشن شو زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے اور زندہ ہیں تو ان لوازمات کا بھی اہتمام کرنا ہے۔

اپنا مکان ہو تو ہاؤس بلڈنگ کا قرضہ' دنیا بھر کے ٹیکس اور پھر دیکھ بھال کے اخراجات اور اگر خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اپنا گھر نہ ہو تو آئے دن بڑھتے ہوئے کرائے' جائیں تو جائیں کہاں!۔ سر چھپانے کے لئے جگہ تو چاہئے ہی۔ بیوی بچوں کے ساتھ فٹ پاتھ پر تو گزارا ہو نہیں سکتا۔ اس پر مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق گھر کی تزئین و آرائش۔ بہترین بیڈ بھی ہونے چاہئیں' اعلیٰ قسم کے صوفہ سیٹ' فرنیچر اور جب یہ چیزیں اعلیٰ ہوں تو خالی زمین پر بھلا کیا اچھی لگیں گی لہٰذا اعلیٰ سامان کے لئے اعلیٰ قالین بھی ہونا چاہئے۔ فریج اور ٹی وی تو اب لازمہ زندگی بن چکے ہیں اور الیکٹرانکس کے سامان کا ایک سیلاب ہے جو غیر ممالک سے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ کہاں کہاں سے بچیں گے آپ۔

ایک ننھی سی جان اور اس پر زندگی کی ضروریات کا یہ بوجھ۔ لیکن ضروریات تو پوری کرنی ہی ہیں اور یہ ایک نوکری سے پوری نہیں کی جاسکتیں لہٰذا پہلے تو over time کے ذریعہ اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کی گئی لیکن جب اس سے بھی کام نہ چلا تو پھر دائیں بائیں۔ کیا کیا جائے مجبوری ہے۔ ان سب کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ہم ہیں' ہماری ملازمتیں ہیں' ہمارے بیوی بچے ہیں' اللہ اللہ خیر صلا۔ یہ ہے ہماری چھوٹی سی دنیا اور یہ ہے ہماری زندگی۔

اب ان مولوی صاحب کی سنئے! کہتے ہیں میاں کچھ عاقبت کی بھی فکر ہے؟ بھائی دنیا کی فکر سے فرصت ملے تو عاقبت کی بھی فکر کریں۔ کہتے ہیں کہ اس وعدہ کی بھی فکر کرو جو تم نے اپنے رب سے کیا تھا۔ ارے بھائی یہ بھی تو میں رب کا ہی کام کر رہا ہوں۔ کیا ہمارے رب نے ہم پر بیوی بچوں کی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ ابھی تو ہمیں ان کی فکر میں لگا رہنے

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

"قائد سنی مجلس عمل پاکستان مولانا مفتی محمد نعیم اور دیگر مفتیان کرام نے یوم احتجاج کی کامیابی پر سنی مجلس عمل پاکستان کی کوششوں کی تحسین کی۔ اس موقع پر انہوں نے جامعہ بنوریہ میں دینی مدارس کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا تنازعہ کسی سے نہیں ہے اور نہ ہی ہم کسی پر بلاوجہ تنقید کے قائل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کا وعدہ پورا کرنا ہر حکمران کا فریضہ ہے' جو حکمران اس فریضہ میں کوتاہی کرتے ہیں وہ مسلمانوں اور اسلام کے کبھی بھی ہمدرد نہیں ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سیاست دانوں اور حکمرانوں کو اتنا آزمایا جاچکا ہے' اب انکو آزمانا حماقت ہے۔ اس لئے اب علماء کرام کو انقلاب کا راستہ خود اپنانا ہوگا۔ جو گروہ ملک میں انتخاب کے ذریعہ نفاذ اسلام کی آس لگائے بیٹھے ہیں ان کی مثال سوکھے درخت کے نیچے بیٹھ کر سائے کا انتظار کرنے والوں کی سی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت سیاست محض ایک جوا ہے۔ اس کا مقصد صرف دولت جمع کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی سیاست دان کے دل میں نہ تو عوام کے لئے کوئی ہمدردی ہے اور نہ ہی وہ اسلام کے خیر خواہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے حوالے سے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ میں کوئی فرق نہیں"۔

کراچی سے ندائے خلافت کے نامہ نگار کا مراسلہ

دیں' جب ان کی فکر سے فراغت حاصل کریں گے تو اللہ میاں کا بھی اگلا پچھلا سارا حساب صاف کردیں گے۔ ذرا کوئی ان مولوی صاحب سے پوچھے۔ وہ ہمارا پڑوسی زید کتنا اچھا آدمی تھا اچھی بھلی ملازمت تھی' اللہ تعالیٰ نے اتنی فراغت دے رکھی تھی کہ زندگی کی ہر ضرورت پوری ہو رہی تھی۔ بیٹھے بٹھائے کسی نے اس کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ میاں یہ روزی حرام ہے' چھوڑو اسے ورنہ تباہ ہو جاؤ گے!! بے چارے نے اچھی بھلی ملازمت کو لات ماردی۔ پھر کیا تھا' دھکے اس کا مقدر بن گئے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سات سال میں پندرہ جگہ نوکریاں کی ہوں گی لیکن چونکہ ذہن میں اس نے جو معیار قائم کیا تھا اس کا حصول کم از کم کرہ ارضی کے اس حصے میں تقریباً ناممکن ہے لہٰذا کہیں نہیں ٹک سکا۔ بیروزگاری کے دور بھی کئی گزارے۔ بچے اچھے کھانے' اچھے کپڑوں سے محروم ہوئے' مکان کا حال برا ہو گیا۔ جس مکان میں آئے دن مستری مزدور لگے رہتے تھے وہ خستہ حالی کا شکار ہو گیا۔ بچا کھچا سرمایہ ختم ہوا۔ پھر گھر کے سامان کی باری آئی لیکن وہ اللہ کا بندہ ہے کہ اپنی دھن میں لگا ہوا ہے۔ کہتا ہے کہ اللہ کے دین کی نصرت میں لگا ہوا ہے۔ اس پاگل کو کوئی سمجھائے کہ اللہ میاں کیا تمہاری مدد کے محتاج ہیں۔ میاں اپنی مدد آپ کرنے کی سوچو!۔ کوئی اسے سمجھائے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی حالت خود بدلنے کے لئے تیار نہ ہو۔ یہ دنیا بھی ایک حقیقت ہے اور حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ رہی بات بندگی رب کی تو روزہ نماز تو کر ہی رہے ہو۔ دنیا بناؤ گے تو حج اور زکوٰۃ کی بھی نوبت آئے گی ورنہ اسی طرح دنیا سے چلے جاؤ گے۔

لیکن نہیں میرے دوستو! یہ شخص جو بظاہر بڑا سادہ لوح نظر آتا ہے حقیقت میں بہت ہوشیار ہے۔ یہ اس سراب کے پیچھے نہیں بھاگ رہا جسے حیات دنیوی کہتے ہیں بلکہ اس کی منزل حیات اخروی ہے جو کبھی نہ ختم ہونے والی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اس دنیا میں تھوڑی سی تکلیف برداشت کر بھی لی تو کیا ہوا۔ ابدالآباد والی زندگی تو خیر سے گزرے گی۔ یہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کا خیال ہے کہ۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کو یہ شعور دیا کس نے؟ آیئے میں آپ کو راز کی بات بتاتا چلوں۔

اس کو ہدایت ملی ہے اللہ کی آخری کتاب سے جو الہدیٰ ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ہدایت کا متلاشی ہو اور اسے اس سے ہدایت نہ ملے۔ اسی ہدایت نامہ نے اسے بتایا کہ یہ زندگی محض ایک دھوکہ ہے اور اصل گھر تو ہے ہی آخرت کا گھر۔ لہٰذا اس شخص نے اپنی زندگی ایک عظیم تر مقصد کے لئے وقف کردی ہے۔ اور وہ مقصد ہے اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد۔ اللہ کا دین آج ساری دنیا میں مغلوب ہے لیکن اسے پوری دنیا پر غالب ہوتا ہے۔ یہ پیشنگوئی ہے الصادق والمصدوق محمد الرسول اللہ ﷺ کی' جو پوری ہو کر رہنی ہے لہٰذا کیوں نہ ہم' آپ سب مل کر اس میں اپنا حصہ ڈالیں۔ آیئے ہم بھی آج سے اپنی زندگی کو قرآن کریم کے ارشاد کا مصداق بنالیں کہ بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت سب اس اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

☆ ☆ ☆

جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ "جسارت" کراچی کے نام ایک مراسلہ

تمہی کہو کہ یہ انداز "مخبری" کیا ہے؟

محمد سمیع کراچی

آپ کے اخبار میں سکھر میں ہونے والی اس اسلامک کانفرنس کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس کا اہتمام تنظیم فکر و نظر نے کیا تھا اور جس کے مہمان خصوصی ڈاکٹر اسرار احمد تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مختصر رپورٹ میں "دنیا میں خلافت راشدہ کا قیام کیوں اور کیسے" پر ڈاکٹر صاحب کے موقف کو قدرے وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا اور یہ یقیناً قابل تحسین بات ہے۔ کاش کہ شیخ الحدیث مولانا محمد مراد وھالیجوی صاحب کے موقف کو بھی اسی وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا تو قارئین کو دونوں کا تقابلی جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی ہوتی۔ اس کے برعکس رپورٹ کے اس جملہ سے کہ "اسی اثناء میں ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اسٹیج سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کانفرنس سے چلے گئے" اس تناظر میں کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے "انقلاب بذریعہ انتخابات نہ آسکنے کے نظریہ کو مسترد" کرتے ہوئے تقریر فرمائی تھی۔ قارئین کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید ڈاکٹر صاحب لاجواب ہو کر محفل چھوڑ گئے۔ اول تو صدارتی خطاب کے بعد یہ ادب کے خلاف ہے کہ کسی مقرر کو دوبارہ تقریر کی اجازت دی جائے۔ دوم یہ کہ ایک کانفرنس تھی کوئی مناظرہ کی محفل تو تھی نہیں۔ اس موقع پر میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قارئین پر صورتحال اچھی طرح واضح ہو جائے۔ ایک بلدیاتی انتخابات کے موقع پر جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر عثمان صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ کے دوران ہماری بستی میں چند ایسی باتیں کیں کہ جن سے راقم کو اختلاف تھا لہٰذا مقامی منتظمین سے اجازت لے کر میں نے اپنی بات شروع کی جو اتفاق سے تقریر کی صورت اختیار کر گئی۔ اس پر پروفیسر صاحب کافی برہم ہوئے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ بات ایسے اجتماعات کے آداب کے خلاف ہے کہ صدارتی خطاب کے بعد کسی کو تقریر کی اجازت دی جائے۔

میں نے اس سے قبل شیخ الحدیث مدظلہ العالی کے موقف کو وضاحت کے ساتھ پیش کئے جانے کی بات کی ہے۔ دراصل اس عاجز کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ وہ کون سا طریقہ کار ہو گا جس کے ذریعے انہیں پارلیمنٹ کے ستر ارکان مہیا کر دیئے جائیں۔ تاریخ شاید ہے کہ انتخابات کے ذریعہ دینی جماعتوں میں سے کسی نے بھی آج تک پندرہ سے زیادہ سیٹیں حاصل نہیں کیں۔ دوسرا طریقہ جو آج کی سیاست میں رائج ہے وہ ہے لوٹا کریسی۔ اول تو دینی جماعتوں کے پاس اتنا فنڈ کہاں سے آئے گا کہ وہ لوٹوں کو خرید سکیں اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو "لوٹوں" کے ذریعہ قائم ہونے والی اسلامی حکومت کیا ہمیشہ "لوٹوں" کو اپنے ساتھ ملا کر رکھ سکے گی۔ اور کیا وطن عزیز میں ایسے "لوٹے" موجود ہیں جو اسلام کے لئے اپنے آپ کو فروخت کر سکیں۔

اصل میں اس ساری رپورٹنگ کی پشت پر "میں نہ مانوں" والا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ برائے کرم آپ حضرات اپنے رویوں میں تبدیلی کریں اور ڈاکٹر اسرار احمد کے فلسفہ انقلاب کو سمجھنے کی زحمت فرمائیں جو سیرت النبی ﷺ سے انہوں نے اخذ کیا ہے۔ OO

قائمقام امیر تنظیم اسلامی چوہدری رحمت اللہ بٹر کی طرف سے

تذکیری مراسلہ

فرمان رب العالمین: انما المومنون اخوہ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم تفلحون
بیشک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو اور دیکھو اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو باہمی اخوت اور یگانگت میں رخنہ اندازی سے بچانے کے لئے یہاں بعض باتوں کے اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ بحیثیت امت بعض امور لازم قرار دیئے ہیں۔ ان امور پر اگر مستقل عمل ہوتا رہے تو اخوت قائم رہتی ہے۔ ورنہ ہلاکت ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسی لئے معاشرتی معاملات میں باہمی تنازعات میں اصلاح اور صلح کروانے میں کمزوری دکھانے والوں' اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے روکا ہے ان میں لوگوں کو پڑتے دیکھ کر نہ روکنے والوں اور ان معاملات میں سستی کرنے والوں کی مثال ان مسافروں سے دی ہے جو ایک جہاز کرایہ پر لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ: "قال رسول اللہ مثل المدھن فی حدود اللہ والواقع فیھا مثل قوم استھموا سفینہ' فصار بعضھم فی اسفلھا وصار بعضھم فی اعلاھا' فکان الذی فی اسفلھا یمر بالماء علی الذین فی اعلاھا فتاذوا بہ' فاخذ فاسا فجعل ینقر اسفل السفینہ' فاتوہ فقالوا: مالک؟ قال تاذیتم بی ولا بدلی من الماء فان اخذوا علی یدیہ انجوہ ونجوا انفسھم' وان ترکوہ اھلکوہ واھلکوا انفسھم" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حدود (ناجائز و منکرات) میں پڑنے والوں یا اس بارے میں سستی کرنے والوں کی مثال ایسی قوم کی ہے کہ جنہوں نے ایک کشتی کرایہ پر لی۔ ان میں سے بعض اس کی نچلی منزل میں چلے گئے اور بعض اوپر کی منزل میں' نچلی منزل والوں میں سے ایک پانی لانے کے لئے اوپر کی منزل والوں کے درمیان سے گزرتا ہے تو وہ اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں لہٰذا نچلی منزل والا کلہاڑا لیتا ہے اور کشتی کے پیندے میں سوراخ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اوپر والے اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم میرے پانی لانے کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتے ہو اور مجھے پانی کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ پس اگر وہ اس کو روکتے ہیں تو اسے بھی بچالیں گے اور اپنی جانیں بھی' اگر یہ (کہیں کہ اس کا اپنا معاملہ ہے) اسے نہ روکیں تو اسے بھی ہلاکت میں ڈال دیں گے اور خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ معاملہ آنحضور ﷺ نے ایک دوسرے ارشاد گرامی میں واضح فرمایا ہے کہ "عن العرس بن عمیر عن النبی ﷺ: قال: اذا عملت الخطیئہ فی الارض من شھدھا فدھھا کان کمن غاب عنھا ومن غاب عنھا فرضیھا کمن شھدھا۔" (رواہ ابو داود)

جب کہیں زمین پر برائی ہو رہی ہو اور کوئی شخص وہاں موجود ہو اور وہ اسے برا جانے تو وہ ایسے ہے گویا وہ وہاں موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص وہاں موجود نہیں ہے لیکن برائی کا سن کر مطمئن ہے تو وہ ایسا ہے گویا وہاں موجود ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ کسی معاشرے میں کوئی شخص صرف خود برائی سے پرہیز کر کے نہیں بچ سکتا' جب تک وہ برائی کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہی ہدایت ہے جس کی طرف حضرت ابو بکر صدیق نے لوگوں کو توجہ دلائی۔

"عن ابی بکر الصدیق قال یا ایھا الناس انکم تقرءون ھذہ الایہ: یاایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا ھتدیتم' فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ان الناس اذا راوا منکرا فلم یغیروہ یوشک ان یعمھم اللہ بعقابہ رواہ الترمذی وفی روایہ اخری لابی داود: مامن قوم یعمل فیھم بالمعاصی ثم یقدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیروا الا یوشک ان یعمھم اللہ بعقاب

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اے لوگو بیشک تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ اے ایمان والو تم پر لازم ہے اپنی جان' تم کو نقصان نہیں دے گی گمراہی کسی شخص کی جب تم ہدایت پر ہو۔ پس میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک لوگ جب کوئی برائی دیکھیں اور اسے مٹانے کی کوشش نہ کریں تو گمان ہے کہ اللہ ان پر اپنا عذاب مسلط کر دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کے کام ہو رہے ہوں اور پھر لوگ قدرت رکھتے ہوں کہ ان کو بدل دیں اور پھر بھی نہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو پکڑتا ہے عذاب کے ذریعے۔ اس عذاب کی صورت ایک اور حدیث میں یوں بیان ہوئی ہے کہ وہ پھر اللہ کو پکارتے ہیں' دعائیں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ OO

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تحریکِ خلافت پاکستان
کے آغاز کا مقصد

☆ ☆ ☆

۱) نبی اکرم ﷺ کی واضح پیشینگوئیوں کے مطابق پورے کرۂ ارض پر نظامِ خلافت کے قیام کی راہ ہموار کرنا۔

۲) نظامِ خلافت کی برکات سے پاکستان اور تمام دنیا کے مسلم و غیر مسلم افراد کو متعارف کروانا۔

۳) رائج الوقت غیر فطری' ظالمانہ اور استحصالی نظاموں کی گمراہیوں اور خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔

۴) مسلمانانِ عالم میں دین کے تقاضوں کا شعور بیدار کرنا۔

۵) ابتدائی مرحلے کے طور پر پاکستان کے عوام کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا جہاں سے مذہبی فرقہ واریت اور انتخابی سیاست سے بالاتر ہو کر نظام خلافت کے قیام کے لئے منظّم جدوجہد کی ضرورت کا احساس پیدا کیا جا سکے۔